Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb (MIFT)
Volume 3 Issue 2, Fall 2023
ISSN$_{(P)}$: 2790 8216 ISSN$_{(E)}$: 2790 8224
Homepage: https://journals.umt.edu.pk/index.php/mift

Article QR

اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ: عصری رجحانات، تحدیات اور امکانات

Title: **The Renaissance of Islamic Civilization: Contemporary Trends, Challenges and Opportunities**

Author (s): Muhammad Zia-ul-Haq[1], Muhammad Riaz Mahmood[2]

Affiliation (s): [1]International Islamic University, Islamabad, Pakistan
[2]Allama Iqbal Open University, Islamabad, Pakistan

DOI: https://doi.org/10.32350/mift.32.08

History: Received: August 22, 2023, Revised: October 11, 2023, Accepted: October 26, 2023, Published: December 26, 2023

Citation: Zia-ul-Haq, Muhammad and Muhammad Riaz Mahmood. “The Renaissance of Islamic Civilization: Contemporary Trends, Challenges and Opportunities.” *Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb* 3, no. 2 (2023): 102–127. https://doi.org/10.32350/mift.32.08

Copyright: © The Authors

Licensing: This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest

A publication of
Department of Islamic Thought and Civilization, School of Social Sciences and Humanities
University of Management and Technology, Lahore, Pakistan

اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ: عصری رجحانات، تحدیات اور امکانات

The Renaissance of Islamic Civilization: Contemporary Trends, Challenges and Opportunities

Muhammad Zia-ul-Haq*
International Islamic University, Islamabad, Pakistan.
Muhammad Riaz Mahmood
Allama Iqbal Open University, Islamabad, Pakistan.

Abstract

This research article aims to analyze the contemporary trends, challenges and opportunities of the renaissance of Islamic civilization. The remarkable role of Islamic civilization for reform and advancement in various fields of human life is no more a mystery. Although the Muslim civilization encountered downfall owing to internal conflicts and negligence in maintaining and preserving of knowledge, social ethics and political standards. Ultimately, other civilizations and imperial powers influenced Muslims. The primary assets of Islamic civilization are well-preserved in the form of Holy Quran and the Sunnah of the Prophet (PBUH). Muslim civilization despite of various cognitive and practical mistakes of the Muslims did not fall completely. It demands revival. There are different tendencies among the contemporary Muslims about the renaissance of this civilization. Some of the challenges in the line of renaissance of Islamic civilization are linked to internal situation of Muslims and some others are related to the biased and prejudiced approach of the followers of western civilization. Ample opportunities and avenues need to be identified to overcome these challenges or reduce their impact. Present study has been designed to address the issue in a way to bridge the gap between old and new literary endeavors. First part of this research paper presents doctrinal and theological meaning of the renaissance of the Islamic civilization. Contemporary trends and internal challenges have been discussed in detail in second part. Next parts highlight the external challenges and analyses the prospects of renaissance of Islamic civilization. Last part of the research concludes the discussion.

Key words: Islamic Civilization, Islamic Thought, Muslims, Religion, Renaissance, Western Civilization

۱. موضوع تحقیق کا تعارف اور پس منظر

تہذیبیں انسانی سماج کی تشکیل و تعمیر میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اخلاق و سیرت، علوم و فنون اور معاشرت و سیاست کے اصول و قوانین کا براہ راست تعلق تہذیبوں سے وابستہ اقوام کے مزاج اور ان کے فکری سرچشموں سے ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں مذہبی افکار اور سماجی علوم سے متعلق مطالعات میں تہذیبوں کا تجزیہ افادیت کا حامل ہے۔ اسلامی تہذیب نے علم و عمل کے ارتقاء کے ضمن میں غیر معمولی کردار ادا کیا ہے۔ اس تہذیب کے حاملین نے کئی صدیوں تک دنیائے انسانیت کی امامت کا منصب سنبھالے رکھا۔ اس علمی و سیاسی قیادت کو زوال اس وقت آیا جب مسلمانوں کو علمی پستی، اجتہاد کے فقدان اور استعماری نظاموں کی مرعوبیت نے آن گھیرا۔ چونکہ اسلامی تہذیب کی فکری اساس محفوظ و مستحکم ہے اور مسلمانوں کی تمام تر علمی و عملی اغلاط کے باوجود یہ مکمل طور پر زوال کا شکار نہیں ہوئی اس لئے اس کے وارثان دوبارہ اس کا احیاء چاہتے ہیں۔ اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اجتماعی یا انفرادی سطح پر جو رجحانات پائے جاتے ہیں ان میں تنوع پایا جاتا ہے۔

---

*Corresponding author: Muhammad Zia-ul-Haq at muhammad.ziaulhaq@iiu.edu.pk

بعض محققین اسلامی ریاست کی تشکیل کے ایک خاص تصور کو فروغ دے رہے ہیں۔ بعض ماہرین جہاد کی مخصوص تعبیرات کے ذریعے مسلح جدوجہد کو اپنا ہدف بناتے ہیں۔ ایک علمی حلقہ اسلامی تعلیمات کی عقل اور سائنسی انکشافات کے ساتھ موافقت کو دلیل کی حیثیت قرار دینے پر اصرار کرتا نظر آتا ہے۔ ایک طبقۂ فکر اسلامی تہذیب کے علاوہ دیگر تہذیبوں کی کلی تردید کرنا چاہتا ہے۔ بعض لوگ مناظرانہ روش کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے مختلف رجحانات کا غیر جانب دارانہ جائزہ بہت ضروری ہے۔ اس ضمن میں ان مشکلات کا مطالعہ بڑی افادیت کا حامل ہے جو تہذیب اسلامی کے احیائے نو کے عمل کو روک رہی ہیں یا اس کی رفتار کو سست کر رہی ہیں۔ اس ضمن میں پیش آنے والی رکاوٹوں کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ اسلامی تہذیب کو فروغ دینے اور اسے استحکام بخشنے کی خواہش رکھنے والے طبقات کے علم و عمل میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ مسلم امہ میں یکسوئی، مرکزیت اور اجتماعیت کا شدید فقدان ہے۔ مسلمانوں کی سیاسی و معاشی اشرافیہ اصلاح احوال کے ضمن میں مصلحتوں کا شکار ہے۔ بعض ممالک میں ملوکیت و آمریت نے آزادانہ فکر و تدبر کا راستہ روک رکھا ہے۔ بعض مقامات پر جدیدیت کے حاملین کی زمینی حقائق سے عدمِ مطابقت پر مبنی سوچ نے مسائل پیدا کر رکھے ہیں۔ بعض مغربی مفکرین تہذیبی تصادم کا نظریہ پیش کر رہے ہیں اور بعض اسلاموفوبیا کا شکار ہیں۔ ایسی پیچیدہ صورت حال کا مطالعہ تہذیبی ارتقاء میں حصہ ڈالنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ زیر نظر تحقیقی مضمون اسی علمی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ مستقبل میں اسلامی تہذیب کے احیاء کے امکانات اور اس ضمن میں موجود تحدیات کا مطالعہ ہی اس مقالہ کا موضوع ہے۔

تفہیم مطالب کو سہل بنانے کی غرض سے مضمون کو سات اجزا میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے جزو میں موضوع تحقیق کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے جزو میں اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ تیسرا جزو اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے عصری رجحانات کے تجزیہ پر مشتمل ہے۔ چوتھے جزو میں ان داخلی تحدیات کا جائزہ لیا گیا ہے جن کی وجہ سے اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کا عمل وقوع پذیر نہیں ہو پا رہا۔ پانچواں جزو خارجی تحدیات کی نشاندہی کرتا ہے۔ چھٹے جزو میں اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے مختلف امکانات کا جائزہ لیا گیا ہے جبکہ ساتواں جزو خلاصہ بحث پر مشتمل ہے۔

۲. اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کا مفہوم

"نشاۃ" بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے، زندگی، پیدا ہونا اور کسی چیز میں زندگی بھر دینا۔ اس کی وضاحت قرآن مجید میں اس طرح آئی ہے:

﴿ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ﴾[۱]

پھر اللہ ہی عطا کرے گا زندگی آخرت کی۔

ایک دوسری آیت ملاحظہ ہو:

﴿وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى﴾[۲]

[۱] العنکبوت، ۲۰:۲۰

[۲] النجم، ۵۳:۴۷

اور یہ کہ اسی کی ذمہ ہے زندگی بخشنا دوسری مرتبہ۔

"نشاۃ ثانیہ" دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ "نشاۃ" کا لفظی مطلب زندگی یا پیدا کرنا ہے۔ ابن منظور افریقی نے "لسان العرب" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

" نشأة ونشأة : حيي و أنشأ الخلق أي ابتدأ خلقهم وفى التنزيل العزيز:وأن عليه النشأة الأخرى"[۳]

لغوی تحقیقات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ "نشاۃ" کے معانی میں زندگی، پیدا کرنا، پیدا ہونا، تشکیل پانا، دوسری زندگی، حیاتِ نو، دوسری پیدائش، دوسرا جنم، زندہ ہونا اور اٹھانا شامل ہیں۔

اس لغوی پس منظر میں "نشاۃ ثانیہ" کا اصطلاحی مفہوم حتمی الفاظ میں متعین کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ علم و فکر کے مختلف شعبہ جات سے وابستہ احباب اس ضمن میں کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہیں۔ بعض علمی حلقے محض روایتی علوم و فنون کے استحکام کو نشاۃ ثانیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ بعض کے ہاں اس مقصد کی تکمیل کے لئے سائنسی ترقی کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ بعض نے اسے مسلمانوں کے سیاسی غلبے کا نام دیا ہے۔ لہٰذا اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کا وسیع تر مفہوم یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے درست فہم کو رواج دیا جائے، مسلمان سائنس کے میدان میں بھرپور تحرک کا مظاہرہ کریں، سیاسی میدان میں سنجیدگی اور بالغ نظری کا ثبوت دیں اور انفرادی و اجتماعی امور میں اصلاح کو پیش نظر رکھا جائے۔ اسلامی تہذیب کے پس منظر میں "نشاۃ ثانیہ" کا مفہوم مسیحی فکر میں موجود اعتقادی انحراف یا ایمانیاتی تبدیلی کے تجربہ سے یکسر مختلف ہے۔[۴]

اردو زبان و ادب میں "نشاۃ ثانیہ" کی اصطلاح کو عمومی طور پر انگریزی کے لفظ "رینے سانس" (Renaissance) کا ترجمہ سمجھا جاتا ہے۔ ہر دو زبانوں کی اصطلاحات کے مفاہیم، مذہبی بیانیوں اور نظریاتی و عملی اہداف میں واضح فرق ہے۔ "The World Encyclopedia" میں لفظ "Renaissance" کی وضاحت اس طرح کی گئی:

"Renaissance implies the substitution of a worldly point of view for a religious point of view, with reference to art, literature and the state. The center of reference became man rather than God. This new attitude is properly defined as humanism. The base upon which it rested was the gradual transfer of wealth, and the political power that went with wealth, from the medieval church to the modern territorial prince."[۵]

اس بیان کا مفہوم یہ ہے کہ رینے سانس کے نتیجے میں فن، ادب اور ریاست کے معاملات کو مذہب کے بجائے دنیاوی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے گا۔ اس تحریک کا مرکز خدا نہیں بلکہ انسان ہے۔

"The New International Encyclopedia" میں رینے سانس کی تعریف ملاحظہ ہو:

---

[۳] ابن منظور افریقی، **لسان العرب**، (بیروت: دارالصادر، ۱۴۱۴ھ)، ج:۶، ص:۴۴۱۸۔

[۴] Nosheen Iftekhar and Dr. Shahzadi Pakiza, Comparison of Islamic Renaissance and Western Renaissance, Burjis, University of Science and Technology, Bannu, Vol:۷, Issue:۱, January-June,۲۰۲۰, Pages,۲۷-۳۷

[۵] The world book ency.P.۶۸۷۴, Vol:۱۴, Chicago,۱۹۵۸.

"Renaissance (New, or Revival learning). A name usually applied to the transition from medieval to modern methods of study and thought, as to its origin and the at which this is to be set, literature is full of misinformation."[۶]

اس عبارت میں رینے سانس سے مراد احیاء علم کی وہ تحریک ہے جس نے انسانوں کا رخ قرون وسطیٰ میں اختیار کئے جانے والے انداز غور و فکر سے موڑ کر جدید طریقوں کی طرف کر دیا ہے۔ اس تحریک کے بپا ہونے سے قبل لٹریچر غلط معلومات سے عبارت تھا۔

"Encyclopedia of Religion" میں رینے سانس کی بابت یوں درج ہے:

"The most brilliant definitions of the renaissance have generally been interpretations or evaluative judgments rather than factual descriptions, Mechelet: "The discovery of the Walter Peter; a general excitement of world and man". Enlightening of the human mind. Symonds: "The attainment of self-conscious freedom to the human spirit."[۷]

مغربی مفکرین کے ایک طبقہ کے ہاں رینے سانس سے مراد دنیا اور انسان کی دریافت ہے۔ یہ طبقہ سمجھتا ہے کہ اس پر جوش اور روشن خیال تحریک کے ذریعے انسان خود آگاہی کی منزل پالیتا ہے اور اسے آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں نشاۃ ثانیہ کا وہ مفہوم نہیں ہے جو یورپ میں تحریک نشاۃ ثانیہ کے پس منظر میں موجود تھا۔ یورپ میں اس تحریک کا نتیجہ مذہب دشمنی خصوصی طور پر مسیحیت سے فرار کی شکل میں بر آمد ہوا اور اہل یورپ نے از سر نو یونانی تعقل کی طرف رجوع کر لیا۔ یورپ میں اس تحریک کا مقصد دین اور دُنیا کی جدائی تھا۔ اس کے برعکس مسلمان نشاۃ ثانیہ کے ذریعے اسلامی روایات کا فروغ چاہتے ہیں اور وہ دین و دنیا کی ہم آہنگی کے داعی ہیں۔[۸]

۳۔ اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے عصری رجحانات

اسلامی تہذیب کو تاریخ کے مختلف ادوار میں متعدد چیلنجز کا سامنا رہا ہے۔ آفاقی تعلیمات کی حامل اس تہذیب کے وارثان نے اجتہاد اور ثابت قدمی کی بدولت ان بحرانوں کا مقابلہ کیا۔ کبھی عقلی دلائل کو بنیاد بنا کر اللہ تعالیٰ کی حیثیت اور اس کی صفات سے متعلق انسانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی تو کبھی یونانی علوم کے ذریعے مسلم علماء کو پریشان رکھنے کی منصوبہ بندی کی گئی۔ مسلم علماء و مفکرین نے قوت ایمانی، مضبوط علم کلام اور تحقیق کی بدولت ان تہذیبی بحرانوں پر قابو پایا۔ عصر حاضر میں اسلامی تہذیب کو اپنے وارثان کی مختلف الخیالی اور دیگر تہذیبوں خصوصاً مغربی تہذیب کی طرف سے علم و فکر، مذہب و سماج اور سیاست و معیشت کے مختلف شعبہ جات میں بڑے پیمانے پر مقابلے کا سامنا ہے۔

ان چیلنجز کا سدباب کرنے اور اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کی راہ ہموار کرنے کے لئے ملت اسلامیہ میں جو رجحانات پائے جاتے ہیں ان کا تجزیہ ذیل کی سطور میں پیش کیا جاتا ہے۔

---

[۶] The new international Ency.P.۲۰, Vol: XVII dodd, Mead and Company ,۱۹۷۰

[۷] An Encyclopedia of Religion, p.۶۵۵, Philosophical Library, New York,۱۹۴۵

[۸] احمد جاوید، **مسلم نشاۃ ثانیہ: اصلاح مفاہیم** (گوجرانوالہ: الشریعہ، جلد: ۲۴، شمارہ: ۵، ۲۰۱۳ء)، ص: ۱۷۔

۱.۳. اسلامی ریاست کا قیام اور خلافت کے ادارہ کی بحالی

عصر حاضر کے مسلم مفکرین کی ایک قابل لحاظ تعداد اس موقف کی حامی ہے کہ اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اسلامی ریاست کا قیام واستحکام انتہائی ضروری ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ طبقہ نہ صرف یہ کہ علم وفکر، تصنیف وتالیف اور تربیت کے مختلف شعبہ جات میں متحرک ہے بلکہ یہ خواہش بھی رکھتا ہے کہ عالم اسلام کے سیاسی وجغرافیائی اتحاد کی کوئی سبیل ضرور تلاش کی جائے۔[9] اس گروہ کی نمائندہ شخصیات میں جمال الدین افغانی[10]، حسن البناء[11]، سید محمد قطب[12]، سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ[13]، علامہ محمد اسد[14] اور ڈاکٹر اسرار احمد[15] شامل ہیں۔

---

[9] شاہرام اکبر زادے وعبد اللہ سعید، **اسلامی ریاست: جواز کی تلاش**، مترجم: محمد ارشد رازی (لاہور: مشعل بکس، ۲۰۰۶ء)، ص: ۲۰۳-۱۔

[10] جمال الدین افغانی (۱۸۹۷ء-۱۸۳۸ء) مسلم دنیا کے اتحاد کے علم بردار تھے۔ وہ مسلم ممالک کو مغربی تسلط سے نجات دلانے کے لئے کوشاں رہے۔ آپ نے مسلم ممالک کو ایک خلیفہ کے تحت متحد کرنے اور ایک آزاد مسلم بلاک کی تشکیل کے لئے بھرپور جہد وجہد کی۔ آپ نے اپنے سیاسی اہداف کے حصول کے لئے حجاز، ہندوستان، مصر، ترکی، برطانیہ، فرانس، روس، ایران اور جرمنی سمیت مختلف ممالک کے دورے کئے۔ آپ مصر کے ممتاز دانش ور شیخ محمد عبدہؒ کے مرشد ومربی تھے۔ (شاہد حسین رزاقی، سید جمال الدین افغانیؒ: حیات وافکار (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲ کلب روڈ، ۲۰۱۰ء)، ص: ۱-۲۰۴۔)

[11] حسن البناء (۱۹۴۹ء-۱۹۰۶ء) مصر کی ممتاز مذہبی تنظیم اخوان المسلمین کے بانی تھے۔ ۱۹۲۸ء میں قائم ہونے والی اس تنظیم کو تعلیم یافتہ لوگوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ آپ نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ایک نامعلوم شخص نے آپ کو گولی کا فائر کر کے شہید کر دیا۔ آپ کی سیاسی فکر کے اثرات پوری اسلامی دنیا میں محسوس کئے گئے۔ (خلیل احمد حامدی، حسن البناء شہید کی ڈائری، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء، صفحات: ۳۲۸-۱)۔

[12] سید محمد قطب (۱۹۶۶ء-۱۹۰۶ء) مصر کے ممتاز ماہر تعلیم اور اخوان المسلمون کے اہم رہنما تھے۔ آپ نے مغربی تہذیب، سرمایہ داری، جاگیر داری، آمریت اور سیکولرازم کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے "**فی ظلال القرآن**"، "**معالم فی الطریق**" اور "**العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام**" سمیت بائیس کتب تحریر کیں۔ آپ نے جمال عبد الناصر کے دور میں قید وبند کے مصائب برداشت کئے حتیٰ کہ حکومت کے خلاف سازش کے الزام میں آپ کو پھانسی دے دی گئی۔
(James Toth, Sayyid Qutb: The Life and Legacy of a Radical Islamic Intellectual, Oxford University Press, London,۲۰۱۳, PP:۱-۳۹۲)

[13] سید ابو الاعلیٰ مودودی، (۱۹۷۹ء-۱۹۰۳ء) برصغیر پاک وہند کے عظیم مفکر، مفسر قرآن اور جماعت اسلامی کے بانی تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے "تفہیم القرآن"، "اسلامی ریاست"، "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی"، "خلافت وملوکیت"، "تنقیحات"، تجدید واحیائے دین"، "سنت کی آئینی حیثیت"، "سود"، "قادیانی مسئلہ"، "پردہ"، "الجہاد فی الاسلام" اور "مسئلہ جبر وقدر" کو علمی وسیاسی حلقوں میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ (خورشید احمد (ایڈیٹر)، ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور: خصوصی اشاعت سید ابو الاعلیٰ مودودی، مجلدات: ۲، ۲۰۰۴ء؛ فرید احمد پراچہ، سید مودودی اور ان کے سیاسی افکار، مقالہ: پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء، صفحات: ۳۵۵۔

[14] علامہ محمد اسد (۱۹۹۲ء-۱۹۰۰ء) پولینڈ کے ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں قبول اسلام کا شرف پایا اور اپنے خاندانی نام (Leopold Weiss) کو ترک کر کے محمد اسد کہلائے۔ قیام پاکستان کے بعد اس مملکت خداداد میں اسلامی اصولوں کے مطابق دستوری سازی کے عمل میں متحرک کردار ادا کیا۔ آپ نے پاکستان میں تصنیف، تدریس، صحافت اور سفارت کے شعبہ جات میں قابل فخر خدمات انجام دیں۔ (ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی، علامہ محمد اسد اور ان کی دینی وعلمی خدمات، گوجرانوالہ: الشریعہ، جلد: ۲۴، شمارہ: ۸، اگست ۲۰۱۳ء، ص: ۱۴-۱۰۔)

[15] ڈاکٹر اسرار احمد (۲۰۱۰ء-۱۹۳۲ء) نے بنیادی طور پر میڈیکل کی تعلیم پائی۔ دینی مزاج کی وجہ سے اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان میں شامل رہے اور نہایت متحرک کردار کے حامل ہونے کی بناء پر ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ تعلیمی سلسلوں سے فارغ ہو کر جماعت اسلامی میں شامل ہو گئے۔ فکری اختلاف اور انتخابی سیاست سے الگ رہنے کے رجحان کے باعث جماعت سے الگ ہو گئے۔ ۱۹۷۵ء میں الگ جماعت کے طور پر "تنظیم اسلامی" قائم کی۔ جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ چھوٹی بڑی سو سے زائد کتب اسلامی علوم ومعارف پر پیش کیں۔ آپ عظیم مصلح، مفسر قرآن، سیرت نگار اور خطیب تھے۔ (محمد ادریس، اسلامی ریاست کی تشکیل نو: مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد کی آراء کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ، مقالہ: ایم فل علوم اسلامیہ (اسلام آباد: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ۲۰۲۱ء)، ص: ۱۷۱-۱۵۱)۔

عصر حاضر میں اسلامی تحریکات سے وابستہ ذمہ داران اور کارکنان کی اکثریت اسی فکر کی حامل ہے۔ اسلامی ریاست کے مجموعی نظام اور اس کے مختلف اجزاء کی ذمہ داریوں کے تعین کے بارے میں ان شخصیات کی آراء میں جزوی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔[16] سید مودودی اور علامہ محمد اسد کی تحریروں میں اسلامی ریاست کی اصطلاح نسبتاً زیادہ استعمال ہوئی جبکہ جمال الدین افغانی نے پان اسلام ازم کا تصور پیش کیا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر اسرار احمد اور چوہدری رحمت علی نظام خلافت کی بحالی پر اصرار کرتے ہیں۔[17] ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی اسلامی ریاست کی بات کرتے ہیں مگر ان کے تصورات مذکورہ بالا شخصیات سے قدرے مختلف ہیں۔[18] دلچسپ امر یہ ہے کہ مولانا وحید الدین خان اسلامی ریاست کی تشکیل کی منصوبہ بندی اور اس کے طریقہ کار سے متعلق عصر حاضر کے روایتی علماء سے قطعی طور پر متفق نہیں ہیں۔[19]

۲.۳. جہاد کے نام پر مسلح جدوجہد

تہذیب اسلامی کے غلبے کی خواہش رکھنے والے بعض افراد ایسے بھی ہیں جن کا رجحان مسلح جدوجہد کی طرف ہے۔ جنگ و قتال کی یہ کیفیت جہاد کے نام پر پیدا کی جاتی ہے۔ اس رجحان کے حاملین اپنے گروہ کے سربراہان کے حکم پر مسلح کارروائیاں کرتے ہیں۔ عمومی طور پر مسلم ریاستوں کی مرکزی یا منتخب قیادتیں ایسی کارروائیوں سے لاتعلقی کا اظہار کرتی ہیں۔[20] القاعدہ[21]، داعش[22]، تحریک طالبان پاکستان[23] اور لشکر طیبہ[24]

---

[16] محمد طیب سعید، **اسلامی تہذیب وتمدن کی تشکیل جدید**: مولانا مودودی اور علامہ محمد اسد کے افکار کا تجزیاتی مطالعہ، نگران مقالہ: ڈاکٹر محمد ادریس لودھی، مقالہ: پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان ۲۰۱۹ء؛ ڈاکٹر محمد ارشد، اسلامی ریاست کی تشکیل جدید: معروف نو مسلم سکالر محمد اسد کے افکار کا تنقیدی جائزہ (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۱۷ء)، صفحات: ۵۸۷۔

[17] ملاحظہ ہوں: چوہدری رحمت علی، **مضامین خلافت**، لاہور: خلافت پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، صفحات: ۱۰۰-۱۔؛ ڈاکٹر اسرار احمد، خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، تحریک خلافت پاکستان، س۔ن، صفحات: ۷۰-۵؛ محمد مجتبیٰ، اسلامی نظام خلافت کے احیاء کا طریق کار: عصری مسائل وتقاضے، مقالہ: پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، نگران مقالہ: ڈاکٹر عبد القدوس صہیب، ۲۰۱۴ء

[18] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، **اسلامی ریاست** (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۱۵ء)، صفحات: ۱۷۱۔؛ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی (لاہور: نگارشات، مزنگ روڈ، ۲۰۱۴ء)، ص: ۳۲۹-۱۔

[19] وحید الدین خان، **مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان** (لاہور: امن پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، صفحات: ۵۷۹-۱۔

[20] نگہت اکرم، **اسلامی تصور جہاد اور عصر حاضر کی اہم جنگیں: ایک تجزیاتی مطالعہ**، مقالہ: پی ایچ ڈی، شعبہ قرآن وسنۃ، (کراچی: جامعہ کراچی، ۲۰۰۷ء)، صفحات: ۳۳۷۔

[21] القاعدہ ایک بین الاقوامی تنظیم ہے جسے ۱۹۸۸ء میں اسامہ بن لادن (۱۹۵۷ء-۲۰۱۱ء) نے جہادی مقاصد کے حصول کے لئے قائم کیا۔ اس تنظیم کا فوری ہدف روس کو افغانستان سے بے دخل کرنا تھا۔ البتہ اب یہ تنظیم مسلم ممالک سے مغربی ممالک کے اثر ونفوذ کو ختم کرنے کی جدوجہد کا دعویٰ کر رہی ہے۔ اس کا کردار بڑی حد تک مشکوک اور غیر ذمہ دارانہ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تنظیم بالواسطہ اور خفیہ طور پر مغربی دنیا کے مفادات کی تکمیل کرتی ہے۔

(Elaine Landau, Osama Bin Laden: A War Against the West, Twenty –First Century Books, Brookfield, ۲۰۰۲.PP:۱-۱۴۱)

[22] داعش ایک بین الاقوامی تنظیم ہے جس کا پورا نام "الدولۃ الاسلامیۃ فی العراق والشام" ہے۔ اس نے "القاعدہ" تنظیم سے جنم لیا ہے۔ اس تکفیری گروہ نے سنگین اور ہلاکت خیز جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ بظاہر یہ تنظیم خلافت اسلامیہ کے قیام واحیاء کے لئے کوشاں ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ اس نے بہت سے مسلم ممالک کے خلاف بھی کارروائیاں کی ہیں۔

(Joby Warrick , Black Flags: The Rise of ISIS ,Anchor Books, Newfoundland, Canada,۲۰۱۶,PP:۱-۳۸۴;Jessica Stern and J.M. Berger, ISIS:The State of Terror ,William Collins, Glasgow,Scotland,۲۰۱۵,P ۱-۳۸۵)

[23] تحریک طالبان پاکستان ایک مسلح گروہ ہے جو افغانستان پر امریکی حملے کے بعد ریاست پاکستان کے خلاف متحرک ہوا۔ یہ لوگ افغانستان میں بھی کارروائیاں کرتے ہیں۔ ان کے باہمی اختلافات بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس تحریک کی سرگرمیوں کا مرکز شمالی وزیرستان ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: محمد عامر رانا،

ایسی تنظیمیں ہیں جو یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں کہ یہ مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے تحفظ کے لئے کام کر رہی ہیں۔ اس ضمن میں یہ تنظیمیں اپنے ہم فکر لوگوں سے چندہ لے کر اپنی مسلح سرگرمیوں کو جاری رکھتی ہیں۔ ایسی ہی تنظیموں کی غیر ذمہ دارانہ کارروائیوں کے نتیجے میں مغرب میں مسلمانوں سے متعلق رائے عامہ خراب ہوئی اور اسلاموفوبیا کو فروغ حاصل ہوا۔[۲۵]

۳.۳۔ اسلامی تعلیمات کی عقلی استدلالات اور سائنسی انکشافات سے موافقت

اسلامی تہذیب کے احیاء کے لئے جو لوگ کوشش کر رہے ہیں ان کا ایک طبقہ عقل اور سائنس کو ایک مخصوص پس منظر میں غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔ برصغیر میں اس طبقہ کی نمائندگی سرسید احمد خان[۲۶]، عبداللہ چکڑالوی[۲۷]، سید امیر علی[۲۸]، حافظ محمد اسلم جے راج پوری[۲۹]، علامہ عنایت اللہ مشرقی[۳۰]، نیاز فتح پوری[۳۱]، ڈاکٹر غلام جیلانی برق[۳۲] اور غلام احمد پرویز[۳۳] ایسی شخصیات نے کی ہے۔[۳۴] اس طبقے کے بعض نمائندہ افراد نے

جہاد کشمیر وافغانستان: جہادی تنظیموں اور مذہبی جماعتوں کا ایک جائزہ (لاہور: مشعل بکس، ۲۰۰۲ء)، ص: ۵۱۱–۱۔

[۲۴] لشکر طیبہ ایک جہادی تنظیم ہے جس کا قیام افغانستان میں روسی افواج کے خلاف مزاحمت کے دوران عمل میں آیا۔ افغانستان سے روسی افواج کے انخلاء کے بعد اس تنظیم کی توجہ کشمیر کی جانب مبذول ہوئی۔ یہ تنظیم بھارت کے خلاف خفیہ عسکری کارروائیاں کرتی ہے۔ البتہ پاکستان میں اس تنظیم نے کبھی کوئی مسلح کارروائی نہیں کی۔ اس تنظیم کے سربراہ ریٹائرڈ پروفیسر حافظ محمد سعید آج کل پابند سلاسل ہیں اور اس تنظیم پر ان دنوں کافی پابندیاں لگائی گئی ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: محمد سیف اللہ وابوالحسن مبشر احمد ربانی (لاہور: زاد المجاہد، مرکز الدعوۃ والارشاد، ۲۰۰۳ء)، ص ۴۷۲–۱۔

[۲۵] محمد اکرم جان، **جہاد اور دہشت گردی** (تحقیقی اور تقابلی جائزہ)، مقالہ: پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ (اسلام آباد: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، ۲۰۰۹ء)، ص: ۱۷۲–۴۵۵۔

[۲۶] سرسید احمد خان (۱۸۹۸ء–۱۸۱۷ء) برصغیر کے عظیم مسلم رہنما، مصلح، فلسفی، مؤرخ، ادیب اور ماہر تعلیم تھے۔ آپ نے تعلیم، سیاست اور عمومی اخلاقیات کی ترویج کے حوالے سے غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ آپ نے سائنس، جدیدیت، عقلیت پسندی اور مذہبی فکر کی اصلاح پر زور دیا۔ آپ کے بعض مذہبی عقائد پر علمی حلقے شدید تنقید کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں: پروفیسر خلیق احمد نظامی، سرسید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے، ہند: نئی دہلی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۳ء، ص: ۷–۲۸۷؛ خواجہ محمد سعید، مقالہ: **سرسید احمد خان کا تصور مذہب (ایک فلسفیانہ جائزہ)**، شعبہ فلسفہ، لاہور: جامعہ پنجاب، تکمیل: ۲۰۰۰ء۔

[۲۷] عبداللہ چکڑالوی (م ۱۹۱۹ء) کو برصغیر کے ابتدائی منکرین حدیث میں شمار کیا جاتا ہے۔ انہوں نے "تحریک اہل قرآن" کی بنیاد رکھی۔ تفسیر قرآن کے علاوہ درجن کے قریب کتب تحریر کیں۔ آپ کا تعلق میانوالی کے قصبہ "چکڑالہ" سے تھا مگر آپ نے لاہور کی چینیاں والی مسجد کو اپنا مرکز بنایا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں: سید عبدالحئی، **نزہۃ الخواطر**، مترجم: ابو یحیٰی امام خان نوشہروی، لاہور: مقبول اکیڈمی، چوک انارکلی، ۲۰۲۰ء، ج: ۸، ص: ۳۰۸؛ اختر راہی، تذکرۃ علماء پنجاب، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س۔ن، ص: ۴۱۔

[۲۸] سید امیر علی (۱۹۲۸ء–۱۸۴۹ء) برصغیر کے عظیم مؤرخ اسلام، قانون دان اور مترجم تھے۔ آپ کی اہم تصانیف میں (A Short History of Saracens, The Spirit of Islam, The Ethics of Islam and The Legal Position of Women in Islam) شامل ہیں۔ آپ نے احناف کی معروف کتاب "ہدایۃ" کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ آپ نقد و نظر کی اعلیٰ صلاحتیوں سے مالا مال تھے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شاہد حسین رزاقی، سید امیر علی (لاہور: کلب روڈ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۰ء)، ص: ۳۱۹–۱۔

[۲۹] حافظ محمد اسلم جے راج پوری (۱۹۵۵ء–۱۸۸۲ء) تفسیر، تاریخ اور عربی زبان وادب میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے "تعلیمات قرآن"، "تاریخ القرآن"، "الوراثۃ فی الاسلام"، "تاریخ الامت"، "ہمارے دینی علوم"، "عقائد اسلام" اور "نوادرات" کو علمی حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ نے علی گڑھ یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ دہلی میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ آپ حجیت حدیث کے قائل نہ تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، آئینۂ پرویزیت، لاہور: وسن پورہ، مکتبۃ السلام، س۔ن، ص: ۱۲۷ – ۱۲۶؛ شیخ محمد اکرام، موج کوثر، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، س۔ن، ص: ۵۶؛ ڈاکٹر تابش مہدی، اردو تنقید کا سفر: جامعہ اسلامیہ کے تناظر میں، دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۹ء، ص: ۳۱۸ و ۱۳۳۔)

[۳۰] علامہ محمد عنایت اللہ خان مشرقی (۱۹۶۳ء–۱۸۸۸ء) امرتسر کے ایک علم وادب سے وابستہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد جناب عطا محمد خان معروف جریدے ""الوکیل" کے مدیر اعلیٰ رہے۔ صحافتی سرگرمیوں کے باعث جمال الدین افغانی اور سید عبداللہ العمادی ایسی بین الاقوامی شخصیات کے ساتھ ان سے

بعض اسلامی عقائد و مسلمات کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اس کے نتیجے میں ان پر شدید تنقید کی گئی۔ سر سید احمد خان نے معراج النبی ﷺ سے

روابط رہتے تھے۔ علامہ مشرقی نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ریاضی میں ایم اے کیا اور برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی سے مکینیکل انجینئرنگ کی۔ آپ نے تدریسی خدمات بھی انجام دیں اور اسلامیہ کالج پشاور کے پرنسپل رہے۔ مختصر عرصہ ملازمت کرنے کے بعد آپ تصنیف و تالیف اور سیاسی سرگرمیوں سے وابستہ ہو گئے۔ قاہرہ میں منعقد ہونے والی مؤتمر اسلامی کانفرنس میں آپ صدر منتخب ہوئے اور آپ کو "علامہ مشرقی" کے خطاب سے نوازا گیا۔ آپ نے ۱۹۳۱ء میں ملی و سیاسی شعور کی بیداری کے لئے خاکسار تحریک کا آغاز کیا۔ آپ نے "تذکرہ"، "قول فیصل"، "مولوی کا غلط مذہب"، "حدیث القرآن"، "قرآن الارض" اور "قرآن حکیم کی مسلسل کہانی" سمیت نصف درجن سے زائد کتب تحریر کیں۔ آپ انسانی بھائی چارے، سماجی انصاف، اقوام عالم کی آزادی، عقلیت اور مذہبی معاملات میں اجتہاد و تدبر کے زبردست حامی تھے۔ آپ کے خاندان نے قومی زندگی کے مختلف شعبہ جات میں اہم خدمات انجام دی ہیں۔ معروف صحافی جناب مجیب الرحمٰن شامی آپ کے پوتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں: زاہد چوہدری، پاکستان کی سیاسی تاریخ، لاہور: ۳۴ مزنگ روڈ، ادارہ مطالعہ تاریخ، ۱۹۸۹ء، جلد: ۵، ص: ۲۹۲۔؛ عبد القدیر رشک، یادوں کے چراغ، لاہور: تخلیقات، ۱۹۹۹ء، صفحات: ۲۳۷-۲۲۸۔؛ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان، علامہ اقبالؒ اور علامہ مشرقیؒ، پشاور: ادارہ علم و فن پاکستان، ۲۰۱۰ء م ص: ۳۳۵-۱۔

[31] نیاز فتح پوری، (۱۹۶۶ء-۱۸۸۴ء) برصغیر کے ممتاز ادیب، عالم دین، دانش ور، صحافی، فلسفی، شاعر، نقاد اور عقلیت پسند تھے۔ آپ نے اردو کا معروف ادبی رسالہ "نگار" جاری کیا۔ بھارت میں آپ کو "پدم بھوشن" اور پاکستان میں "نشان سپاس" کے اعزازات عطا کئے گئے۔ آپ کی دو درجن سے زائد تصانیف میں سے "من و یزدان"، "استفسارات"، "انتقادیات"، "صحابیات"، "مذہب" اور "مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ" کو علمی و ادبی حلقوں میں پذیرائی عطا ہوئی۔ اپنی وفات سے چار سال قبل یعنی ۱۹۶۲ء میں بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور کراچی میں ان کا وصال ہوا۔ برصغیر میں اجتہادی روش، تنقیدی مزاج، روشن خیالی اور عقلیت پسندی کے فروغ میں آپ نے ایک جاندار کردار ادا کیا تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر ظہور احمد اعوان، نذر نیاز فتح پوری، ادارہ علم و فن، پاکستان، پشاور، ۲۰۰۰ء، صفحات: ۱۶۸-۱۔

[32] ڈاکٹر غلام جیلانی برق (۱۹۸۵ء-۱۹۰۱ء) معروف عالم دین، دانشور، مترجم، مصنف اور شاعر تھے۔ ابن تیمیہ پر تحقیقی مقالے کے نتیجے میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ تین درجن سے زائد کتب تحریر کیں جن میں سے "دو اسلام"، "دو قرآن"، "فلسفیان اسلام"، "مؤرخین اسلام"، "حکمائے عالم"، "فرمانروایان اسلام"، "دانش رومی و سعدی"، "ہماری عظیم تہذیب"، "من کی دنیا"، "دانش عرب و عجم"، "اسلام اور عصر رواں"، "الحاد مغرب اور ہم"، "یورپ پر اسلام کے احسان"، "بھائی بھائی"، "ہم اور ہمارے اسلاف" اور "میری آخری کتاب" کو علمی حلقوں کی غیر معمولی توجہ حاصل رہی۔ علماء کے روایتی حلقے کی طرف سے آپ پر کڑی تنقیدات کی گئیں۔ اس کے نتیجے میں آپ نے اپنے بعض علمی و تاریخی نظریات سے رجوع کر لیا تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں: ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے خطوط، مرتب: ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر، لاہور: حسنین پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، صفحات: ۲۴۰-۱ ؛ جاوید چوہدری (کالم) کیا ڈاکٹر برق واقعی نادم تھے؟، لاہو: روزنامہ ایکسپریس، منگل۔ ۲۸-اپریل ۲۰۱۵ء؛ عبد الرزاق کاہلوی، غلام جیلانی برق: احوال و آثار، مقالہ: ایم فل، شعبہ اردو، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء

[33] غلام احمد پرویز (۱۹۸۵ء-۱۹۰۳ء) اسلام کے ایک منفرد مفہوم کے قائل تھے۔ قائد اعظم محمد علی جناح اور علامہ محمد اقبال سے ان کے گہرے علمی روابط تھے۔ آپ حافظ محمد اسلم جے راج پوری کے شاگرد خاص تھے۔ آپ نے قرآن مجید کو اپنی فکر کی بنیاد قرار دیا۔ آپ نے بعض اسلامی اعتقادات و عبادات کی خلافِ روایت تشریحات پیش کیں۔ آپ کی اہم تصانیف میں "من و یزداں"، "جوئے نور"، "ابلیس و آدم"، "معراج انسانیت"، شعلہ مستور"، "مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں"، "مفہوم القرآن"، "مطالب الفرقان"، "مقام حدیث"، "انسان نے کیا سوچا؟"، اسلام کیا ہے؟"، "کتاب التقدیر"، "شاہکار رسالت"، "قتل مرتد"، "ختم نبوت اور تحریک احمدیت"، غلام اور لونڈیاں"، "یتیم پوتے کی وراثت"، "قائد اعظم کے تصور کا پاکستان"، "تصوف کی حقیقت"، "علامہ اقبال اور تصوف، جہاد- قرآن کریم کی روشنی میں"، "لغات قرآن"، "تبویب القرآن"، "طاہرہ کے نام خطوط" اور "سلیم کے نام خطوط" شامل ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں: قاسم نوری، غلام احمد پرویز، النور پرنٹرز اینڈ پبلشرز، لاہور: ملتان روڈ، س۔ن۔ ص: ۴۳-۱؛ محمد عمر دراز، دولت پرویز، لاہور: ملتان روڈ، فیصل نگر، النور پرنٹرز و پبلشرز، ۱۹۹۲ء، ص: ۱۷۱-۱؛ عطاء اللہ، مضمون "روح سر سید پیکر پرویز میں، لاہور: ماہنامہ طلوع اسلام، ۱۹۷۶ء؛ عبد الکریم عابد، پرویز صاحب کے افکار کا شجرہ نسب (لاہور: ماہنامہ حکمت قرآن، اگست: ۱۹۸۷ء)۔

[34] عبد الرحمٰن کیلانی، **آئینۂ پرویزیت** (لاہور: مکتبہ السلام، وسن پورہ، گلی نمبر ۲، ۱۹۸۷ء)، ص: ۱-۹۸۴۔؛ ظفر اقبال خان، **پرویزیت کے الہامی تصورات: قرآن، علم الکلام اور جدید سائنس کے تناظر میں** (جھنگ: حویلی بہادر شاہ، ادارہ اسلامیہ، ۲۰۰۳ء)، مجلدات: ۲۔

متعلق مسلمانوں کے روایتی موقف سے انحراف کیا۔ انہوں نے جنت ودوزخ اور ملائکہ کے وجود سے متعلق بھی الگ موقف اپنایا۔[35] غلام احمد پرویز نے نماز اور دیگر عبادات کی ایسی تعبیرات کیں جنہیں مسلمانوں کی اکثریت نے مسترد کر دیا۔[36]

۳.۴ مناظرہ ومدافعت کا طرزِ عمل

اسلامی عقائد وروایات کا مناظرانہ اسلوب میں دفاع مسلمانوں کی تاریخ کا ایک ناقابل فراموش باب ہے۔ یاد رہے کہ سامراجی طاقتوں کے تسلط کے دوران مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں میں اس اسلوب کی بڑی افادیت رہی ہے۔ برصغیر میں برطانوی استعمار نے مغل حکومت کا خاتمہ کر کے اقتدار پر قبضہ کیا تھا۔ برطانوی قبضے کو دوام واستحکام فراہم کرنے کے لئے قابض حکومت نے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس ضمن میں مغربی ممالک سے مسیحی پادریوں کو برصغیر بلایا گیا اور مسیحیت کے فروغ کی مختلف حکمت ہائے عملی اختیار کی گئیں۔ مسیحی پادریوں نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ پر بے جا اعتراضات کئے۔ انہوں نے مسلم علماء کو علمی میدان میں آکر مناظرہ کرنے کی دعوت دی۔ مسلم علماء نے بالمشافہ مناظروں میں مسیحی پادریوں کو کئی بار شکست سے دوچار کیا۔ مسلم علماء نے مسیحی پادریوں کی خلاف اسلام کتب کے جوابات بھی تحریر کئے۔ اس علمی کشمکش میں وسیع پیمانے پر مناظرانہ ادب تشکیل پایا۔ اس مناظرانہ ماحول نے توہین، تشدد اور نفرت کو پروان چڑھایا۔ نو آبادیاتی دور ایسے مخصوص حالات میں تو دفاع اسلام کی جنگ کو لڑنا ایک وقتی حکمت عملی کے طور پر اختیار کیا جا سکتا ہے لیکن اسے فروغ اسلام کی مستقل حکمت عملی کے طور پر نہیں اپنانا چاہیئے۔[37]

اب مسلم ممالک سے بڑی حد تک سامراج کا قبضہ ختم ہو چکا ہے۔ اب ماحول کو خوش گوار اور روادار ہونا چاہیئے۔ اسلامی تہذیب کے احیاء کے لئے کوشاں بعض شخصیات اس مناظرانہ ماحول کے اثر سے تاحال آزاد نہیں ہوئیں۔ تعصب، تنگ نظری اور تنقیص کے ماحول میں اقوام عالم کو اسلامی تہذیب کی جانب راغب نہیں کیا جا سکتا۔ سنجیدہ علمی حلقوں میں یہ احساس مضبوط ہوتا دکھائی دیتا ہے کہ اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے لئے مناظرہ وتردید کی روش کو چھوڑ کر دوستی، مفاہمت، برداشت اور تعاون کے ماحول کو فروغ دینا ہو گا۔[38]

۳.۵ تبلیغی ودعوتی اسلوب

دعوت وارشاد، وعظ ونصیحت اور تبلیغ وتصوف کے ذریعے تہذیب اسلامی کا فروغ ایک اچھی حکمت عملی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے اس اسلوب کو اختیار کر کے نہایت کم وقت میں بہت اچھے نتائج حاصل کئے۔ ممتاز مغربی دانشور ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے اپنی کتاب "The Preaching of Islam" میں تہذیب اسلامی کی تیز رفتار ترویج واشاعت کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔[39] دور جدید میں دعوت وتبلیغ

---

[35] ڈاکٹر سی ڈبلیو ٹرول، سرسید احمد خان: **فکر اسلامی کی تعبیر نو**، مترجمین: ڈاکٹر قاضی افضل حسین، محمد اکرام چغتائی (لاہور: اردو بازار، القمر انٹر پرائزز، رحمان مارکیٹ، اردو بازار، ۱۹۹۰ء)، ص: ۵-۷۰۔

[36] غلام احمد پرویز، **تبویب القرآن** (لاہور: ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۸۵ء)، ص: ۹۵۶۔

[37] ڈاکٹر محمد ریاض محمود و ڈاکٹر محمد صدیق، **برصغیر میں مسلم۔مسیحی مناظرانہ ادب کے علمی وفکری اثرات** (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، مجلہ: معارف اسلامی، جلد: ۱۳، شمارہ: ۲، جنوری۔جون، ۲۰۱۴ء)، ص: ۱۶۲-۱۳۲۔

[38] Seyyed Hossein Nasr, Islam and Civilizational Dialogue: The Quest for a Truly Universal Civilization, Kuala Lumper University of Malaya Press,۱۹۹۷, P:۱-۴۰

[39] T.W. Arnold, The Preaching of Islam, P:۱-۲۰۰

کے حوالے سے جو کام مسلمان کر رہے ہیں وہ مختلف ملکوں میں مختلف جماعتیں انجام دے رہی ہیں۔ پاکستان میں تبلیغی جماعت[۴۰]، دعوت اسلامی[۴۱] اور سنی تحریک[۴۲] ایسی جماعتیں اس اسلوب کی حامل ہیں۔ بعض لوگ مختلف صوفی تحریکات کے ساتھ وابستہ ہیں۔ تمام تر نیک نیتی اور اخلاص کے باوجود یہ جماعتیں وہ نتائج حاصل نہیں کر سکیں جن کی بنیاد پر اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے خواب کو شر مندۂ تعبیر ہوتے دیکھا جا سکے۔ ان جماعتوں کے طریقہ کار میں کسی نہ کسی خاص مسلکی رجحان کا پس منظر پایا جاتا ہے۔ اس طرح یہ جماعتیں ملت اسلامیہ کی صحیح نمائندگی سے قاصر رہتی ہیں۔[۴۳] یہی حال صوفی تحریکات کے نظم اور ان سے وابستہ افراد کا ہے۔[۴۴] اسلامی تہذیب کے احیاء کے لئے ان جماعتوں کے طریقہ کار میں اصلاح و تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔

۳.۶ مغربی تہذیب کو کلی طور پر مسترد کرنا

عہد حاضر میں مغربی تہذیب کو سیاست و معیشت سمیت بہت سے شعبہ ہائے حیات میں غلبہ و تسلط حاصل ہے۔ بہت سی طاقت ور اقوام نے اس تہذیب کو طرز حیات کے طور پر اختیار کر لیا ہے۔ تمام تر سائنسی، صنعتی، کاروباری اور انتظامی فضائل کو ایک طرف رکھتے ہوئے اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کی خواہش رکھنے والا ایک طبقہ اس تہذیب کو مکمل طور پر مسترد کرنا چاہتا ہے۔[۴۵] اس گروہ کا موقف یہ ہے کہ مغربی تہذیب اور اس کی ترقی میں معاونت فراہم کرنے والے تمام ادارے کسی طور بھی اسلامی تہذیب سے ہم آہنگی اور موافقت پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہ مؤقف انتہا پسندانہ اور معاصر تہذیبی حقائق سے متصادم ہے۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ اچھائی اور افادیت کی حامل کوئی چیز کسی بھی علاقے، زمانے یا فکر کے حامل لوگوں میں پائی جا سکتی ہے۔ ایک مسلمان کو کس طرح زیب دیتا ہے کہ وہ نیکی اور فائدہ سے عبارت کسی چیز کو اس لئے نظر انداز کر دے کہ اس کا حوالہ کوئی دوسری تہذیب یا اس کے حامل کچھ لوگ ہیں۔ کسی زندہ اور غالب تہذیب سے لاتعلقی عملی طور پر ممکن نہیں۔ اس پس منظر میں مغربی تہذیب کو کلی طور پر مسترد کر دینا منفی نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ یہ نقطۂ نظر اس اعتبار سے بھی قابل اعتراض ہے کہ اسلام نے تو کائنات پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔[۴۶]

---

[۴۰] سید ابو الحسن علی ندوی، حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت (کراچی: مجلس نشریات اسلام، س۔ن)، ص:۳۰-۱۶۸۔؛ یوگندر سکند، تبلیغی جماعت کا آغاز اور نشوونما، مترجم: سعود الحسن خان (کوئٹہ: غزنوی کتب خانہ، قندھاری بازار، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۴۵-۱۵۔

[۴۱] مولانا محمد الیاس عطار قادری (پیدائش ۱۲ جولائی ۱۹۵۰ء) نے ۱۹۸۱ء میں ایک غیر سیاسی تحریک کی حیثیت سے کراچی میں "دعوت اسلامی" کی بنیاد رکھی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: محمد یوسف، دعوت اسلامی کی فکر اور تنظیم کار: ایک تحقیقی جائزہ، مقالہ: ایم فل علوم اسلامیہ، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، نگران مقالہ: ڈاکٹر محمد سجاد، سیشن: ۲۰۱۰ء، صفحات: ۱۲۰۔

[۴۲] مولانا محمد سلیم قادری (۲۰۰۱ء-۱۹۶۰ء) نے ۱۹۹۰ء میں کراچی میں "سنی تحریک" کی بنیاد رکھی۔ یہ پاکستان میں بریلوی مکتب فکر کی ایک اہم مذہبی واصلاحی تنظیم ہے۔

[۴۳] الطاف احمد اعظمی، **احیائے ملت اور دینی جماعتیں** (لاہور: دار التذکیر، رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، ۲۰۰۲ء)، ص:۲۳۸-۳۵۱۔

[۴۴] ملاحظہ ہوں: پروفیسر امان اللہ بھٹی، **اسلام اور خانقاہی نظام** (لاہور: دار السلام، ۲۰۰۸ء)، صفحات: ۴۰۰؛ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش (لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، ۲۰۱۶ء)، صفحات: ۱۲۶۔

[۴۵] Cemil Aydin, The Politics of Anti-Westernism in Asia, Columbia University Press, New York, ۲۰۰۷, P ۱-۲۹۹

[۴۶] البقرۃ، ۲: ۱۶۴۔

اس غور و فکر کا لازمی تقاضا ہے کہ جو مفید بات ملے اسے اختیار کیا جائے اور دنیا میں روحانی و مادی ترقی کے لئے پوری کوشش کی جائے۔ مغربی تہذیب کو کلی طور پر نظر انداز کرنے اور اس سے مکمل لاتعلقی اختیار کرنے کی خواہش رکھنے والے طبقے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اپنے آپ پر دروازے اور کھڑکیاں بند کرلے یا شتر مرغ ریت میں سر چھپا کر اپنے آپ کو محفوظ سمجھ لے! اس نقطۂ نظر کے حامی، خواہ وہ منفعت بخش باتوں سے استفادہ کریں یا نہ کریں اور تغیر و تجدید کو قبول کریں یا نہ کریں، تاریخ کا دھارا انہیں پیچھے چھوڑ جائے گا اور ایک دن وہ آس پاس نظر ڈالیں تو کوئی حامی و مددگار نہیں پائیں گے۔ اس سماجی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ افراد و اقوام کے درمیان تہذیبی روابط سے مفاہمت و ترقی کی نئی نئی راہیں دریافت ہوتی ہیں۔ غالب تہذیب کے تمام اجزاء کو مسترد کرکے اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کو یقینی بنانا نہایت مشکل امر ہے۔ بادیٔ النظر میں یہ رویہ کسی بڑے تہذیبی بحران اور اقوام کے درمیان تنہائی اور علیحدگی کے احساس کا باعث ہوسکتا ہے۔

۳.۷۔ مغربی تہذیب کا مکمل اتباع

اسلامی تہذیب کے احیاء کا مستحکم جذبہ رکھنے والے ایک طبقے کا موقف ہے کہ مغربی تہذیب کو کلی طور پر اختیار کرلیا جائے۔ اس ضمن میں کسی قسم کی تحقیق و تنقیح سے کام نہ لیا جائے کہ مغربی تہذیب کا کون سا پہلو اچھا ہے اور کون سا برا ہے۔ یہ طبقہ تمام اقدار و روایات یہاں تک کہ عقائد و نظریات اور روحانیات و اخلاقیات میں انتہاپسندی کا شکار ہے۔ اس طبقے کی ایک نمائندہ شخصیت کی حیثیت سے ترکی کے ممتاز مفکر ضیاء گوک الپ[۴۷] کا نام لیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ترکی کو مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگنے کی بھرپور کوشش کی۔ اسلامی تہذیب سے وابستہ ہر ادارے کو ختم کیا۔ سیاسی نظام، طرز حیات، قومی روایات اور زبان و ادب سمیت ہر چیز کو مغربی تہذیب کے تابع کردیا۔ اس مغرب پرستی کے نتیجے میں ترکی میں مذہب سے بیزاری، دیگر ممالک کے مسلمانوں سے نفرت اور اپنے مستقبل کے بارے میں مایوسی و ناامیدی کے جذبات پروان چڑھے۔ مصر میں اس طبقے کے نمائندے کے طور پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین[۴۸] کا نام لیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اس نظریہ کو فروغ دینے کی پوری کوشش کی کہ مصر کے لوگ مشرق کی نسبت مغرب کے ساتھ زیادہ قربت رکھتے ہیں۔

انہوں نے مصر کے کلچر کو یورپی تہذیب کا ہی ایک حصہ قرار دیا۔ اس فکر کے تحت انہوں نے مصر میں یورپی تہذیب کے اثر و نفوذ کی پوری کوشش کی۔ اس موقف کی تائید کے نتیجے میں مصر کے اسلامی تشخص پر منفی اثرات مرتب ہوئے، عورت کی آزادی کے نام پر نامناسب مطالبات سامنے آئے اور نسل پرستی کو فروغ حاصل ہوا۔ ترکی اور مصر کے ان تاریخی تجربات سے سبق سیکھنا بہت ضروری ہے۔ مسلمانوں کو کسی صورت میں

---

[۴۷] ضیاء گوک الپ (۱۹۲۴ء–۱۸۷۶ء) ترکی کے معروف ماہر عمرانیات، فلسفی، مصنف، شاعر، استاد، سیاست دان اور مفکر تھے۔ وہ جدیدیت، مغربی تمدن وجمہوریت، ترک قومیت پسندی اور عقلیت کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ وہ سیکولر خیالات کے حامل تھے اور یکساں مذہبی اعتقادات رکھنے کی بنا پر مسلمانوں کے "ملت واحدۃ" ہونے کے تصور کے شدید مخالف تھے۔ انہوں نے خلافت، تعدد ازدواج اور پردہ سے متعلق روایتی مسلم فکر سے بیزاری کا اظہار کیا۔ وہ ترکی کے قوم پرست شاعر، ادیب، صحافی اور سماجی مصلح نامق کمال (۱۸۸۸ء–۱۸۴۰ء) سے غیر معمولی طور پر متاثر تھے۔

(Niyazi Berkes,” Ziya Gokalp: His Contribution to Turkish Nationalism, Middile East Journal , Middle East Institute, Washington ,D.C,Vol:۸,No:۴, Autumn ,۱۹۵۴, P PP: ۳۷۵-۳۹۰-Httos: www.jstore,org/steble /۴۳۲۲۶۳۵.)

[۴۸] ڈاکٹر طٰہٰ حسین (۱۹۷۳ء-۱۸۸۹ء) معروف مصری ادیب، مؤرخ، نقاد اور دانش ور تھے۔ اوائل عمری میں ہی نابینا ہوگئے تھے۔ مصر اور فرانس سے تعلیم پائی۔ عربی کے علاوہ فرانسیسی اور لاطینی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ استشراقیت اور سیکولرازم سے خاصے متاثر تھے۔

(Hussam R. Ahmed, The Last Nahdawi :Taha Hussein and Institution Building in Egypt, Stanford University Press, Stanford, California, June,۲۰۲۱,P۱-۳۱۲)

بھی مغربی تہذیب کو مکمل طور پر قبول نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ تحقیق و تنقید کے عمل کے نتیجے میں کسی بھی تہذیب کے اچھے پہلوؤں کو اختیار کرنے میں بڑی افادیت ہے۔

۳.۸ اسلامی تہذیب کی دیگر تہذیبوں سے موافقت

مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا ہے جو اسلامی تہذیب اور دیگر معاصر تہذیبوں خصوصی طور پر مغربی تہذیب میں موافقت کی راہ ہموار کرنا چاہتا ہے۔ اس طبقے کی خواہش ہے کہ اسلام کو نئے حالات سے ہم آہنگ کیا جائے۔ یہ خواہش بڑی خطرناک صورت حال سے دوچار ہو سکتی ہے۔ اس سے اسلامی شریعت کی بالادستی پر اصرار کا موقف کمزور پڑتا دکھائی دیتا ہے۔ اس طبقے کا مطالبہ ہے کہ تمام اسلامی قوانین پر نظر ثانی کی جائے اور انہیں اجتہاد کے نام پر اس حد تک تبدیل کر دیا جائے کہ اسلامی تہذیب کی اساس سے ان کا کوئی تعلق باقی نہ رہے۔ اس طریقے سے اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ بڑے خطرناک نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ اس سے اسلام کا حقیقی مفہوم ہی بدل سکتا ہے۔ لہذا ایسی نشاۃ ثانیہ مسلمانوں کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دے گی۔ ایسی صورت حال میں اسلامی تہذیب غائب ہو جائے گی اور مختلف علاقائی ناموں سے اسلامی تہذیب کا تعارف کرایا جائے گا۔ ترکی تہذیب، ایرانی تہذیب، عرب تہذیب اور ہندی تہذیب کسی طور بھی اسلامی تہذیب کا متبادل نہیں ہو سکتیں۔ تہذیبی موافقت کے خواہش مند اس طبقہ کی نمائندگی کرنے والے علماء میں ایک ممتاز نام مفتی محمد عبدہ کا ہے۔

آپ نے موقف اختیار کیا کہ اسلام تجدد اور تبدیلی کو پسند کرتا ہے۔ یہ دور حاضر کی غالب تہذیب سے کسی طرح بھی متعارض نہیں۔ آپ نے خواتین کی سماجی حیثیت پر نظر ثانی کا موقف اپنایا۔ تعدد ازدواج، پردہ، طلاق اور وطن پرستی کے بارے میں مغربی تہذیب کے اختیار کردہ موقف کے حامی تھے۔ قاسم امین[49] بھی اسی طبقہ کے نمائندہ ہیں۔ انہوں نے عورت کی سماجی زندگی، وضع قطع اور سماجی میل جول کے بارے میں مغربی تہذیب وافکار کی حمایت کی۔ علی عبد الرزاق[50] اور سعد زغلول[51] بھی اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان حضرات نے مسلمانوں اور مغربی دنیا میں فاصلے کم کرنے کے نام پر اسلامی فکر کی اساس پر بہت سے سمجھوتے کیئے۔

---

[49] قاسم امین (۱۹۰۸ء–۱۸۶۳ء) کا تعلق مصر سے تھا۔ وہ ایک فلسفی، مصلح، فقیہہ اور جدیدیت پسند کے طور پر معروف ہوئے۔ وہ جامعہ قاہرہ کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ آپ نے جج کے طور پر بھی خدمات انجام دیں۔ آپ نہدہ تحریک کے اہم قائد تھے۔ آپ کا شمار مصر کے ان سیاسی قائدین میں ہوتا ہے جو مغربی دنیا کے دلدادہ تھے۔ آپ شیخ محمد عبدہؒ کے شاگرد تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اسلام میں پردہ، کثرتِ ازدواج اور طلاق ایسے مسائل نے مسلمانوں کو ترقی سے روک رکھا ہے۔ یاد رہے کہ آپ نے فرانس سے اعلیٰ تعلیم پائی تھی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں: چارلس سی ایڈمز، **اسلام اور تجدد مصر میں**، مترجم عبد المجید سالک (لاہور: مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، ۱۹۵۸ء)، ص ۳۲۹-۳۲۸؛ وارث میر، حریت فکر کے مجاہد (لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۸۹ء)، ص ۴۵-۴۳۔

[50] علی عبد الرزاق (۱۹۶۶ء–۱۸۸۸ء) مصر کے معروف مذہبی سکالر، جج اور حکومتی وزیر تھے۔ مذہبی و سیاسی حلقوں میں آپ کے بعض مذہبی افکار متنازعہ حیثیت کے حامل رہے۔ آپ نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم پائی تھی۔ آپ کی تصانیف میں سے "**الاسلام واصول الحکم**" اور "**الاجماع فی الشریعۃ الاسلامیۃ**" کو علمی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔ آپ مذہب کو ریاست کے انتظامی امور سے الگ رکھنا چاہتے تھے۔ جدیدیت کا حامل ہونے کی وجہ سے آپ پر بہت سی تنقیدات کی گئیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: چارلس سی ایڈمز، **اسلام اور تجدد مصر میں**، مترجم: عبد المجید سالک (لاہور: مجلس ترقی ادب کلب روڈ، س۔ن)، ص: ۳۵۴)

[51] سعد زغلول (۱۹۲۷ء–۱۸۵۹ء) مصر کے وزیر اعظم رہے۔ آپ مصر کی نیشنلسٹ وفد پارٹی کے رہنما تھے۔ آپ نے برطانوی سامراج سے آزادی حاصل کرنے کے لئے سول نافرمانی کی مہم کی قیادت کی۔ پیشے کے اعتبار سے آپ وکیل تھے۔ آپ نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ آپ نے جج کے طور پر خدمات بھی انجام دیں۔ آپ مصر کے تعلیم اور قانون کے شعبہ جات کے وزیر بھی رہے۔ آپ کو تہذیبی اعتبار سے مغرب پسند رہنماؤں میں شمار کیا جاتا ہے۔
(Caroline Elkins, Legacy of Violence: AHistory of the British Empire, Knopf Doubled Publishing Group, New Yourk,۲۰۲۲, P ۱۴۰-۱۴۵)

۳.۹ اسلامی تہذیب کی اساس پر ثابت قدم رہتے ہوئے مغربی تہذیب کے محاسن سے استفادہ

اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ سے متعلق یہ موقف نہایت مفید اور قابل عمل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کے بنیادی ماخذوں یعنی قرآن وسنت پر ثابت قدمی دکھائی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف تہذیبوں خصوصاً مغربی تہذیب کے اچھے پہلوؤں سے اخذ واستفادہ کیا جائے۔ مغربی تہذیب کے وہ اجزاء جو اسلامی تہذیب کی روح سے متصادم ہوں ان کو ترک کر دیا جائے۔ مسلمانوں کے تشخص اور ملی وقار پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔ یہ ایک جرأت مند فکر ہے۔ اس سے قوت ایمانی میں مضبوطی آتی ہے۔ دیگر تہذیبوں کے صالح عناصر سے استفادہ مسلمانوں کی ایک قابل فخر تہذیبی روایت ہے۔ اس پس منظر میں اسلامی تہذیب کے حاملین کے لئے مغربی تہذیب سے محتاط استفادہ ایک احسن عمل ہے۔ البتہ مغربی تہذیب کو اس کے مفاسد سمیت قبول کرنا بہت نقصان دہ ہے۔ اس فکر کی نمائندگی کرنے والوں میں ایک اہم نام امیر شکیب ارسلان کا ہے۔[52] وہ کہتے ہیں کہ یورپی علوم سے استفادے کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ ہم لوگ اپنی اصل نسل کو بھول جائیں اور اس وجہ سے اپنی قومیت کو نظر انداز کر دیں۔ ہمیں ان علوم تک رسائی حاصل کرنی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام اور اپنی عربیت پر قائم بھی رہنا ہے۔[53] علامہ محمد اقبالؒ[54]، سید محمد قطب شہیدؒ، سید ابو الاعلیٰ مودودی ؒ اور سید ابو الحسن علی ندویؒ[55] کو بھی اسی طبقہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ طبقہ اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ سے متعلق زیادہ پر اعتماد نظر آتا ہے۔

اس رجحان کے فروغ سے مسلمانوں کا پیغام پوری قوت سے اقوام عالم تک پہنچ سکتا ہے، علوم اسلامیہ سے متعلق شکوک وشبہات کا ازالہ ہو سکتا ہے، مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی کی سبیل کی جاسکتی ہے، اسلامی تشخص کی بحالی اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ اسی رجحان کو اختیار کر کے تہذیبی تصادم کی راہ روکی جاسکتی ہے اور تہذیبوں کے درمیان ہم آہنگی اور قبولیت کی فضا کو پیدا کیا جاسکتا ہے۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیئے کہ مغربی تہذیب نے محض مادی ترقی کے معیارات کو ہی حاصل نہیں کیا بلکہ بہت سی ایسی اعلیٰ اقدار کو بھی رواج دیا ہے جس نے انسانی فکر پر نہایت مثبت اثرات مرتب کئے ہیں۔ بین الاقوامی تنازعات کو حل کرنے کے لئے اقوام عالم کو متحرک کرنا، اجتماعی فلاح کے لئے بین الاقوامی سطح پر تنظیمیں قائم کرنا، حکومتوں کی تشکیل میں رائے عامہ کو اہمیت دینا، سیاسی وانتظامی بہتری کے لئے مؤثر نظام وضع کرنا اور اقوام کے خود ارادیت کے حق کو تسلیم کرنا ایسے پسندیدہ امور ہیں جن پر مغربی دنیا میں زیادہ توجہ کی جارہی ہے۔ اسلام

---

[52] امیر شکیب ارسلان (۱۹۴۶ء–۱۸۶۹ء) لبنان کے ممتاز سیاست دان، شاعر اور ادیب تھے۔ انہیں عربی کے علاوہ ترکی، جرمن اور فرانسیسی زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ انہوں نے کئی ممالک کے اسفار کئے اور ان کے احوال قلم بند کئے۔ دوران سفر عالم اسلام کے بڑے رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ وہ جمال الدین افغانی، محمد عبدہٗ، محمد رشید رضا اور احمد شوقی سے بھی ملے۔ اسلامی تہذیب وتاریخ، اتحاد عالم اسلامی اور مسلمانوں کے سیاسی وثقافتی مستقبل کے بارے میں بہت کچھ تحریر کیا۔ ہمہ جہتی علمی خدمات کے باعث "امیر البیان" کے خطاب سے سرفراز کئے گئے۔ وہ عربوں کے اتحاد کے ساتھ ساتھ پوری ملت اسلامیہ کے اتحاد کے داعی تھے۔ ان کی بعض کتب کے اردو تراجم بھی پاکستان اور بھارت میں شائع ہو چکے ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں: امیر شکیب ارسلان، اسباب زوال امت، کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، ۱۹۹۴ء، صفحات: ۱۴۲؛ امیر شکیب ارسلان، جنوبی یورپ پر عربوں کے حملے، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۵۷ء، صفحات ۳۸۲؛ امیر شکیب ارسلان، **اسباب زوال مسلم**، آستانہ بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۴ء، صفحات ۱۳۸۔)

[53] ڈاکٹر عبد الکریم عثمان، **اسلامی ثقافت کے سنگ میل** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۲۲ء)، ص: ۲۱۔

[54] پروفیسر عزیز احمد، **برصغیر میں اسلامی جدیدیت**، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۶ء)، ص ۲۱۰–۲۰۵۔

[55] سید ابو الحسن علی ندوی (۱۹۹۹ء–۱۹۱۴ء) کا تعلق بھارت سے تھا۔ آپ عالمی سطح کی مختلف مسلم تنظیموں کے رکن رہے اور کتب کثیرہ کے مصنف ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: محمد علی ظفر، **مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور مطالعہ مغرب: تحقیقی وتنقیدی جائزہ**، مقالہ: ایم فل علوم اسلامیہ، نگران مقالہ: پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، سیشن: ۲۰۱۱ء–۲۰۰۹ء)

ان اقدار کو اختیار کرنے میں مانع نہیں ہے۔ اس پس منظر میں اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ضروری ہے کہ مغربی تہذیب کے مفید تصورات سے استفادہ کیا جائے۔[56] مغربی تہذیب سے تصادم کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ ہم ان کے طویل تجربات سے فائدہ نہیں اٹھاسکیں گے بلکہ تہذیبی ارتقاء کے ایک تاریخی موقع کو بھی گنوا بیٹھیں گے۔ مغربی دنیا کے تہذیبی تجربات کو من وعن قبول کرنا قطعاً ضروری نہیں ہے۔ مغرب کا اپنا طرز عمل ہے اور مسلمان خود اپنا ایک طرز حیات رکھتے ہیں۔ مغرب کے تجربات میں فکر اسلامی کی روشنی میں بہتری لائی جاسکتی ہے۔ اس ساری صورت حال کے پیش نظر اسلامی تہذیب کے وارثان کے لئے یہ رویہ مناسب نہیں کہ وہ مغربی تہذیب کے مفید تصورات کی افادیت کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیں۔[57]

۴۔ اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کو درپیش داخلی تحدیات

اسلامی تہذیب کی کارکردگی اور اقوام عالم میں اس کی قبولیت کو دور حاضر میں جس ضعف وانحطاط کا سامنا ہے اس کے بہت سے داخلی عوامل ہیں۔ ان عوامل واسباب کے تجزیے اور ان کی سنجیدہ تفہیم کے بغیر اسلامی تہذیب کے مختلف پہلوؤں کا از سر نو احیاء ایک انتہائی مشکل امر ہے۔ عالمی سطح پر تعمیر وترقی اور علم وعمل کے مختلف شعبہ جات میں مسلمانوں کا پس منظر میں چلا جانا بڑی حد تک خود ان کے اپنے اعمال اور کمزور منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ صورت حال کی بہتری اور تہذیبی ترقی کے ایک پر عزم اور نئے سفر کی ابتداء کا تقاضا ہے کہ عصر حاضر میں مادی وروحانی اعتبار سے انسانیت کی اصلاح وفلاح میں مسلم فکر کے کردار اور اس کی مادی وانتظامی کمزوریوں سے متعلق زمینی حقائق سے بھرپور آگاہی حاصل کی جائے۔ اس اعلیٰ اور وسیع تر مقصد کی جامع تفہیم ونتیجہ خیزی کے لئے ذیل کی سطور میں اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کو درپیش داخلی تحدیات کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

۴۔۱ علم واجتہاد سے بے توجہی

اسلامی تہذیب کو زوال سے دوچار کرنے میں دور حاضر کے مسلمانوں کے پستی کی جانب لے جانے والے وہ رویے ہیں جو انہوں نے علم وفکر، تحقیق وتنقید اور اجتہاد وشرح کے مختلف شعبہ جات میں اختیار کئے۔ اسلامی تعلیمات کی اصل روح کو سمجھنے اور اس پر عمل درآمد کرنے کے بجائے مختلف علمی وفقہی حلقوں کی طرف سے بنائے گئے مثالیوں اور سانچوں میں ڈھل جانے پر اصرار کیا گیا۔ علمی موقف پر نظر ثانی کی روایت کو رواج نہ دیا گیا۔ ماضی کی فکر سے ہٹ کر کسی نئے اور مبنی بر حقیقت تجزیہ کو ستائش عطا نہ کی گئی۔ علوم کی تازہ کاری اور ان میں جدت وتنوع کے عمل کو روک دیا گیا۔ بہت سی اعلیٰ درس گاہوں نے اپنے اساتذہ کی تقرری کے مراحل میں علمی معیارات پر کئی ایک سمجھوتے کر لئے۔ مدارس کے انتظامی ذمہ داران کے نامناسب طرز عمل کے نتیجے میں بہت سے علماء اجتماعی دھارے سے الگ ہو جانے پر مجبور ہوئے۔ درس گاہوں سے لاتعلق ہو جانے والے علماء کی کوئی مناسب سرپرستی نہ کی گئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مساجد کے واعظین کی تقاریر کا مواد کمزور ہوتا گیا اور اس میں غیر علمی اجزاء کا تناسب بڑھتا گیا۔ تنقیدی اخلاقیات پر توجہ نہ دی گئی۔ اس علمی وفکری جمود کے نتیجے میں منفی طرز فکر، قنوطیت، تشکیک، الحاد، لادینیت، مسلکی

---

[56] ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر، **مغرب کا تہذیبی وسیاسی غلبہ اور امت مسلمہ کا رد عمل**، **سہ ماہی تجزیات** (اسلام آباد، شمارہ:۳۷، اپریل-جون، ۲۰۱۵ء)، ص: ۳۲-۲۷۔

[57] پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الحق وڈاکٹر محمد ریاض محمود، **اسلامی تہذیب وتمدن میں اختراع اور تازہ کاری: عہد بنی عباس کا تجزیاتی مطالعہ** (اسلام آباد: مجلہ البصیرہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ۲۰۲۰ء)، جلد:۹، شمارہ:۱، ص ۵۲-۲۷۔

اختلافات، فرقہ واریت، تعبیرات دین میں انحراف، ضعیف الاعتقادی اور اوہام پرستی کو فروغ حاصل ہوا۔[۵۸] تحقیق وتنقید پر عدم توجہ کا نتیجہ یہ ہے کہ اہم علمی دریافتوں کا سلسلہ مغربی دنیا کی طرف منتقل ہو چکا ہے اور مسلم ممالک آپس میں کسی قسم کے علمی ربط وتعاون پر آمادہ نظر نہیں آتے۔

علم وتحقیق کی دنیا سے فراغت ولا تعلقی کا ایک بڑا سبب اجتہاد کا فقدان ہے۔ فقہ کے میدان میں موجود روایتی سانچوں کی تقلید کو ہی انسانی مسائل کا حل قرار دینا ایک انتہا پسندانہ سوچ ہے۔ اس حقیقت کو عام لوگوں تک پہنچانے کی ضرورت ہے کہ ماضی میں خدمات انجام دینے والے علماء کسی صورت بھی معصوم عن الخطاء نہیں تھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے علم وفہم کو تقصیر اور خلل کی کمزوریوں سے محفوظ ہونے کا سرٹیفکیٹ دے رکھا ہے۔ علمائے سلف کے باہمی اختلافات اس حقیقت کے عکاس ہیں کہ نصوص قدسیہ کی مختلف تشریحات ہو سکتی ہیں۔ اس پس منظر میں بہت ضروری ہے کہ اسلاف کے اجتہادات پر معاصر صورت حال کے پس منظر میں نظر ثانی کی جائے۔ اس ضمن میں قول قائل پر چلنے کے بجائے دلیل وبرہان کو فوقیت دی جائے۔[۵۹]

مسلمانوں کی ابتدائی تین صدیوں میں اجتہاد کا عمل بڑی تیزی اور مضبوطی کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ مرور زمانہ کے ساتھ اس میں ضعف آتا گیا۔ غور وفکر اور تدبر وتطبیق سے انحراف کے نتیجے میں آج اسلامی تہذیب زوال کی طرف محو سفر ہے۔ اسلامی تہذیب کی از سر نو تنظیم وتشکیل کے لئے محض نظری طور پر اجتہاد کی اہمیت کو تسلیم کر لینا کافی نہیں۔ یہ ایک باریک بین اور حساس عمل ہے۔ اجتہاد کے نام پر کسی غیر ذمہ دارانہ طرز عمل کا راستہ روکنا بہت ضروری ہے۔ عصر حاضر میں اجتہاد اور جدیدیت کے نام پر بہت سے نامعقول اسالیب بھی سامنے آئے ہیں۔ گزشتہ صدی میں عثمانی ترکوں کی تجدد پسندی کا ناکام تجربہ اس ضمن میں ایک اہم مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد بعض تجدد پسند ترک رہنماؤں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ اسلامی تہذیب کے قدیم ورثے کو چھوڑا جائے اور اس کی جگہ مغربی تہذیب کی اقدار کو اختیار کیا جائے۔ اس فکر کے بہت سے حاملین آج یہ احساس رکھتے ہیں کہ انہوں نے کوئی حقیقی کامیابی حاصل نہیں کی۔[۶۰]

تہذیب وثقافت، معیشت وسیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں بہت سے ایسے مراحل آتے ہیں جہاں درست اجتہادی فیصلوں کی اہمیت غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہے۔ ماضی میں بعض مسلم علماء ومفکرین نے اجتہاد وتجدید کے میدان میں غیر ذمہ دارانہ روش کا مظاہرہ کیا ہے۔ نصوص شرعیہ کی تعبیر وتشریح اور فقہی استدلال واجتہاد کے ضمن میں غلام احمد پرویز سمیت بہت سے علماء نے ایسی اغلاط کا ارتکاب کیا ہے جس کے نتیجے میں اسلامی تہذیب کا حقیقی چہرہ مسخ کرنے کی کوششیں سامنے آئیں اور مستشرقین نے ان حضرات کی آراء سے نامناسب نتائج برآمد کئے۔ اسلامی تہذیب کی منفی منظر کشی میں ان نامناسب آمیزشوں کا بڑا دخل ہے جو فکر اسلامی کی اساس کو پراگندہ کرنے کے لئے کی گئیں۔ اس پس منظر میں اسلامی تہذیب کی تطہیر وتنقیح نہایت ضروری ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں میں متجددانہ نظریات پر گہری نظر رکھی جائے اور اسلامی تہذیب کی راست روی کے تحفظ کا پورا اہتمام کیا جائے۔

۴.۲۔ سماجی واخلاقی بحران

---

[۵۸] Ziauddin Sardar, Islamic Futures: The Shaps of Ideas to Come, Man sell Publishing Limited, London:۱۹۸۵, P:۱-۶۰

[۵۹] الحسن بن الہیثم، **فی الشکوک علی بطلیموس** (قاہرہ)، ص ۳-۴

[۶۰] فواد سیزگین، **تاریخ التراث العربی** (سعودیہ: جامعہ ملک سعود، ۲۰۱۵ء)، ص: ۲۰۹-۲۰۶۔

مسلمانوں کو جس تہذیبی تنزل کا سامنا ہے اس کے بہت سے معاشرتی اور اخلاقی اسباب ہیں۔ ان کے ہاں واضح طور پر علم و عمل کا تفاوت پایا جاتا ہے۔ مذہبی تعلیمات کے فروغ کے دعوے ایک طرف اور خود ان کی ان تعلیمات سے دوری دوسری طرف ایک الگ منظر نامہ واضح کرتی ہے۔ اعمال کی روح کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور محض نمائشی کارروائیوں سے اطاعت اسلام کے دعوے کئے جاتے ہیں۔[61] نفاذ اسلام کی جدوجہد اور روحانیت کی علم برداری کرنے والے بہت سے احباب طریقت کے نام پر شریعت سے انحراف کی روش پر قائم ہیں۔[62] اخلاقی و معاشرتی بگاڑ، ظلم وستم، دنیا طلبی، جاہلی تعصبات و خرافات، جذبات پرستی، انتہا پسندی، خاندانی نظام کی شکست وریخت اور تہذیبی مرعوبیت نے اسلامی تہذیب کے وارثوں کو مقصد زندگی سے بے گانہ کر دیا ہے۔ میڈیا، انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع نے اخلاق و کردار پر کاری ضرب لگائی ہے۔ اسلام قومی و نسلی تعصبات اور ذات پات کی کسی بھی شکل کو پسند نہیں کرتا لیکن ماضی میں بعض سامراجی طاقتوں کی کوشش کے نتیجے میں مسلمانوں میں نسلی قومیتوں کے تصور کو پروان چڑھانے کی پوری منصوبہ بندی کی گئی۔ رنگ و نسل یا جغرافیائی پس منظر کی حامل قومیت پر فخر نے ملت اسلامیہ کی وحدت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ انفرادی و اجتماعی سطح پر نہ صرف یہ کہ اسلام کی سماجی و اخلاقی تعلیمات کو نظر انداز کیا گیا بلکہ تہذیبی تشخص کے تحفظ کے عصری تقاضوں کو بھی کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ ان کمزور اخلاقی رویوں کے نتیجے میں مسلم معاشرے مرکزیت و اجتماعیت کے تصور سے لاتعلق ہو گئے۔ اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کی راہ میں مسلم معاشروں کا یہ ردعمل ایک بڑی رکاوٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔

۴.۳ اقتصادی انحطاط

علمی و فکری جمود، اخلاقی پستی اور بے مقصدیت نے مسلمانوں کی معاشی صورت حال پر منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ منصوبہ بندی کے فقدان اور بدحالی و بے عملی نے غربت و بے روزگاری میں اضافہ کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی عالمی تنظیموں بشمول تنظیم تعاون اسلامی (OIC) نے اقتصادی پہلو کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں کی۔[63] صورت حال یہ ہے کہ بہت سے مسلم ممالک اقوام متحدہ کے مختلف اداروں خصوصاً بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) کے مقروض ہو چکے ہیں۔[64] مسلم ممالک نے ماضی میں قدرتی و معدنی وسائل کی تلاش اور ان کے مناسب استعمال کی بابت بہت سی غفلتیں کی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اخراجات زیادہ دکھائی دیتے ہیں اور وسائل کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ سائنس و ٹیکنالوجی پر عدم توجہ سے مسلمانوں کی آمدن میں کمی واقع ہوئی ہے اور اخراجات بڑھ گئے ہیں۔ مزدوروں کے حقوق سے متعلق کوئی واضح پالیسی اسلامی دنیا وضع نہیں کر سکی۔ معاشی ترقی میں آبادی کی منصوبہ بندی، بنک، شاہرات، ہوائی اڈے، بندرگاہیں، ڈیم، تجارت، جنگلات، کفالت عامہ اور معاشی اصلاحات کے شعبہ جات کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ مسلمانوں نے گزشتہ دو تین صدیوں سے ان اُمور کی جانب توجہ مبذول نہیں کی۔[65] اس بے فکری اور

---

[61] اسرار عالم، **امت کا بحران: تفکیر، تدبیر اور تعمیل** (نئی دہلی: دار العلم، ۲۰۰۶ء)، ص ۳۱-۲۱۔

[62] مہوش عروج، **تصوف میں شامل غیر اسلامی تصورات** (برصغیر کے تناظر میں تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، مقالہ: ایم فل علوم اسلامیہ (اسلام آباد: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، ۲۰۱۱ء)، ص: ۸۴-۱۷۹۔

[63] Turan Kayaoglu, The Organization of Islamic Cooperation: Politics, Problem and Potential, Routledge, London,۲۰۱۷, P ۱-۱۶۸

[64] Storm C. Thaeker, The High Politics of IMF Lending, World Politics, Cambridge, University Press, Cambridge, England, ۱۳th June, ۲۰۱۱, Vol:۵۲, Issue,۱, P ۳۸-۷۵.

[65] عبدالشکور چوہدری، **عالم اسلام کا معاشی بحران اور اس کا حل**، **مقالہ: پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ** (اسلام آباد: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، ۲۰۰۷ء)، ص: ۲۲۵-۲۵۷۔

غیر ذمہ داری نے عالم اسلام کو معاشی زوال اور اقتصادی بحران سے دوچار کر رکھا ہے۔ اقتصادی امور کی جانب مناسب توجہ کے بغیر اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کا کوئی عملی امکان نہیں ہے۔

۴.۴۔ عسکری و سیاسی ضعف

کسی بھی تہذیب کے غلبے میں عسکری امور اور سیاسی فیصلوں کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ بد قسمتی سے عالم اسلام اس وقت عسکری اعتبار سے اقوام عالم میں کسی غیر معمولی اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ اگر ایٹمی صلاحیت کی بات کی جائے تو بلا شبہ پاکستان واحد مسلم ملک ہے جسے یہ قوت حاصل ہے۔ اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ پوری دنیا ایران کے ایٹمی پروگرام کی مخالفت کر رہی ہے۔[۲۶]

اس مخالفت میں بعض مسلم ممالک بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں سعودی حکومت کی قیادت میں بننے والا مسلم ممالک کا عسکری اتحاد تاہنوز بے مقصدیت کا شکار ہے۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف بھی بعض عالمی طاقتیں سازشیں کرتی رہتی ہیں۔ اس ضمن میں امریکہ اور اسرائیل کا کردار بڑی حد تک مشکوک ہے۔ کشمیر، فلسطین اور برما ایسے سیاسی مسائل کے حل کا تقاضا ہے کہ مسلم ممالک اپنی عسکری قوت کو بڑھانے کی پوری کوشش کریں۔ مسلمانوں میں خلافت کے ادارے کے خاتمے کے نتیجے میں بعض ممالک میں ملوکیت و آمریت رواج پا چکی ہے۔ یہ ایک ایسی سیاسی کمزوری ہے جس کا فائدہ اٹھانے کی ہر وقت کوشش اسلام دشمن قوتیں کرتی رہتی ہیں۔

علاوہ ازیں مسلم ممالک کے ریاستی ادارے غیر مستحکم ہیں۔ سیاسی اشرافیہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے خود کو کسی اصول اور ضابطے کی پابند نہیں سمجھتی۔ بہت سے مسلم ممالک میں قومی سطح پر خیانت، اختیارات کے غلط استعمال، نااہلی، نااتفاقی اور فوج کی عوامی نمائندگی پر مشتمل اداروں سے کشمکش کی شکایات عام ہیں۔ اس صورت حال نے عسکری و سیاسی شعبہ جات میں عالم اسلام کو انتہائی کمزور کر دیا ہے۔ ان مسائل پر قابو پانے کی کوئی سنجیدہ کوشش مسلمانوں میں نظر نہیں آتی۔ او آئی سی (OIC) کا کردار اس ضمن میں انتہائی غیر مؤثر ہے۔ یہ ادارہ مسلمانوں کے بڑے سیاسی مسائل کو حل کرنے میں تاحال ناکام نظر آتا ہے۔ مسلمانوں کو متحد کرنے اور ایک عظیم مسلم بلاک کی تشکیل او آئی سی کا سب سے اہم ایجنڈا ہونا چاہیئے۔ عسکری و سیاسی محاذوں پر مسلمانوں کی ان کمزوریوں کی موجودگی میں اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کو کس طرح ممکن بنایا جا سکتا ہے۔

۵. اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کو درپیش خارجی تحدیات

اسلامی تہذیب کی ترویج و ترقی اور اس کی فعالیت و نتیجہ خیزی پر اقوام عالم کے اعتماد کی بحالی کی راہ میں بہت سے خارجی عوامل بھی حائل ہیں۔ یقیناً انسان اپنی داخلی کیفیات کے ساتھ ساتھ خارجی ماحول سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ اسی طبعی حقیقت اور نفسیاتی اصول کے زیر اثر مسلمان بحیثیت مجموعی اپنے تہذیبی تشخص اور ملی وقار سے متعلق خوف، مایوسی اور رد عمل پر مبنی فکر کا شکار ہیں۔ نظریاتی اور عملی اعتبار سے ان حقائق سے آگاہ ہونے کے لئے اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کو درپیش خارجی تحدیات کا تجزیہ ذیل کی سطور میں پیش کیا جاتا ہے۔

۵.۱۔ معاصر غلبۂ مغرب کے اسباب کی عدم تفہیم

مسلمانوں میں عصری تہذیبوں سے متعلق مختلف اقسام کے رویے پائے جاتے ہیں۔ بعض طبقات اسلامی تہذیب سے وابستگی کا اعلیٰ معیار اسے سمجھتے ہیں کہ دیگر تہذیبوں کے نقائص کے پیش نظر انہیں مکمل طور پر مسترد کر دیا جائے اور اپنی تہذیبی اقدار پر بجا طور پر فخر و ناز کیا جائے۔ ایسے

[۲۶] Ali M. Ansari, Confronting Iran: The Failure of American Foreign Policy and the Next Great Crisis in the Middle East, Basic Books, New York,۲۰۰۷, PP:۲۸۵-۳۰۴

لوگ ان تہذیبوں کی توہین و مذمت کرتے نظر آتے ہیں۔ اہل مغرب کی غالب تہذیب سے مرعوبیت کا شکار ہیں۔ یہ لوگ شدید قسم کے احساس کم تری اور نا امیدی کا شکار ہیں۔ استرداد و قبولیت کے ان متضاد رجحانات میں اس امر کی ضرورت بہت کم محسوس کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو مغربی تہذیب کے حالیہ غلبے کے حقیقی اسباب کا سنجیدہ مطالعہ و تجزیہ کرنا چاہیئے۔

بلاشبہ مغربی تہذیب کو دور حاضر میں سیاست و معاشرت اور ابلاغ و معیشت کے مختلف شعبہ جات میں غلبہ حاصل ہے۔ یہ ترقی اہل مغرب کو راتوں رات نصیب نہیں ہوئی بلکہ اس کے پس منظر میں کئی صدیوں پر محیط محنت اور منصوبہ بندی ہے۔ اس غلبے کے محرکات واسباب اور تاریخی مراحل کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں توہین آمیز، مناظرانہ اور تعصب پر مبنی رویہ رکھنے کے بجائے غیر جانب داریت، حقیقت کو تسلیم کرنے اور انسانیت کے لئے خیر وفلاح کو تلاش کرنے کا رویہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ شعور زوال پذیر ہے کہ معاصر تہذیبوں خصوصاً مغربی تہذیب کے مفید عناصر سے معقول اخذ واستفادہ ہونا چاہیئے۔ مغرب نے بین الاقوامی قانون، معاہدات، انسانی حقوق اور تمدنی ترقی کے بارے میں جو تجربات کئے ہیں ان سے استفادہ کی ضرورت ہے۔ اسلامی تہذیب سے وفاداری کے نام پر مغرب سے آئی ہر چیز کو مسترد کر دینا انتہائی نامناسب رویہ ہے۔[۶۷] مغربی تہذیب وافکار کے مطالعہ خصوصاً اہل مغرب کے تہذیبی غلبے کی نوعیت اور اس سے استفادہ کی صورتوں کے جائزے سے مسلمانوں میں نہ صرف یہ کہ تہذیبی ارتقاء ہوگا بلکہ مختلف اقوام کے درمیان با مقصد اور خوش گوار مکالمہ کے فروغ کی راہ بھی ہموار ہوگی۔

۵.۲ تہذیبی تصادم کا مبنی بر خوف نظریہ

تہذیبوں کی تشکیل کا سلسلہ اسی قدر پرانا ہے جس قدر خود انسان کی اپنی تخلیق، یعنی پہلے انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی پہلی انسانی تہذیب وجود میں آ گئی تھی۔ مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں مختلف تہذیبوں نے انسانی فکر وعمل کے ارتقاء میں اپنا حصہ ڈالا۔ جن تہذیبوں نے بڑے پیمانے پر انسانوں پر اثرات مرتب کئے ان میں یونانی تہذیب، رومی تہذیب، مصری تہذیب، چینی تہذیب اور ہندی تہذیب کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ اسلامی تہذیب کا خاصہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد تو اٹل اور الہامی عقائد و نظریات پر قائم ہے جبکہ اپنے تمدنی حسن میں اضافہ کے لئے یہ قدیم اور معاصر تہذیبوں سے اخذ واستفادہ میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی۔ اسے صالح اور مبنی بر خیر عناصر جس تہذیب سے بھی مل جائیں انہیں قبول کر لیتی ہے۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ اسلامی تہذیب کے وابستگان نے ہمیشہ انسان دوستی اور تہذیبوں کے درمیان اخذ وعطا پر مبنی معتدل اور مفاہمانہ رویوں کو فروغ دیا ہے۔ اسی مثالی روش کے نتیجے میں اسلامی تہذیب کے وارثان نے مختلف اقوام اور علاقوں میں اپنی قبولیت اور اثر پذیری میں مسلسل اضافہ کیا ہے۔ مسلمانوں کے اس تہذیبی مفاہمت پر مبنی طرز عمل کے برعکس گزشتہ تین عشروں سے اہل مغرب کے بعض طبقات کی طرف سے تہذیبی تصادم کی آوازیں آ رہی ہیں۔

معروف امریکی دانش ور سموئیل پی ہنٹنگٹن (۱۹۲۷ء-۲۰۰۸ء) نے ۱۹۹۳ء میں "The Clash of Civilizations and the Remarking of World Order" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ اس نے موقف اختیار کیا کہ اب جنگیں ملکوں کی سرحدوں کے بجائے تہذیبوں کے درمیان لڑی جایا کریں گی۔ اس نے قرار دیا کہ مغربی تہذیب دور حاضر کی ایک غالب تہذیب ہے۔ اس تہذیب کو صرف اسلامی

[۶۷] ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر، **مغرب کا تہذیبی وسیاسی غلبہ اور امت مسلمہ کا ردعمل** (اسلام آباد: سہ ماہی تجزیات، شمارہ: ۴۷، اپریل-جون، ۲۰۱۵ء)، ص: ۳۲-۴۷۔

تہذیب سے خطرہ ہے نیز یہ کہ دونوں تہذیبوں میں ممکنہ طور پر تصادم ہو سکتا ہے۔ اس نے تجویز کیا کہ مغربی تہذیب کے وابستگان کو یہ منصوبہ بندی کرنی چاہیئے کہ اسلامی تہذیب کا کسی بھی طور پر خاتمہ ہو جائے۔ اس کا خیال ہے کہ اگر اسلامی تہذیب کو معدوم و ناکام نہ کیا گیا تو مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے درمیان خطرناک تصادم ہو گا۔[۶۸]

مفروضہ تہذیبی تصادم کی اس سوچ نے امن اور مفاہمت کی طالب انسانیت کو ورطۂ حیرت میں ہی نہیں ڈال رکھا بلکہ اقوام عالم کے درمیان تعلقات کو بھی ایک اَن دیکھے خوف سے دوچار کر دیا ہے۔ یہ نظریہ مکالمہ، بقائے باہمی اور تکثیر المدنیت (Pluralism) کے عصری تقاضوں سے بالکل میل نہیں کھاتا۔ اس سے امریکہ کی فیصلہ ساز قوتوں کی سامراجی اور توسیع پسندانہ سوچ کا اظہار ہوتا ہے۔[۶۹] اس دور میں اقوام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو باہمی تہذیبی انحصار (Civilizational Interdependence) کے لئے تیار کریں۔ تہذیبی کشمکش کے تصور اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ممکنہ تباہی نے اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کی خواہش رکھنے والوں کو بہت مایوس کیا ہے۔ محاذ آرائی، ٹکراؤ اور دوسرے کو ختم کر دینے کی خواہش رکھنے والے اس نظریہ نے اقوام عالم کے اشتراک عمل اور ثقافتی تعاون کے امکانات کو نیست و نابود کر دینے کی پوری کوشش کی ہے۔ ناامیدی، بے یقینی اور غیر ذمہ داری کے اس ماحول کی اصلاح اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ تصادم و تخریب کی سوچ کو خیر باد کہہ کر ہی اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کا مثبت و بابرکت عمل وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔

۵.۳۔ استشراق، اسلاموفوبیا اور توہین آمیز خاکے

اسلامی تہذیب کی سالمیت کو دیگر اقوام کی طرف سے جن سنجیدہ چیلنجز کا سامنا ہے ان میں استشراق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ استشراق اہل مغرب کا وہ مطالعاتی اُسلوب ہے جس کی اساس نسلی تقسیم کے تصور پر قائم ہے۔ اس فکر کے تحت مغربی اہل علم مشرقی علوم و آداب کا مطالعہ و تجزیہ کرتے ہیں۔ اس علمی تحریک کے ذریعے بعض اہل مغرب کوشش کرتے ہیں کہ اہل مشرق خصوصاً مسلمانوں پر اپنی نسلی و ثقافتی فوقیت کو ثابت کیا جائے۔ یہ طبقہ مغربی استعماریت کا محافظ ہے۔[۷۰] مستشرقین نے مختلف ادوار میں مسلمانوں کو نسلی و جغرافیائی اعتبار سے تقسیم کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ مسلمانوں کے اندر تشکیک پیدا کرنا اور انہیں مغربی فکر سے مرعوب کرنا اس طبقہ کا اہم ہدف ہے۔[۷۱]

اس پس منظر میں استشراقی طرز فکر کا مناسب حل تلاش کرنا مسلمانوں کی ایک اہم علمی اور تحقیقی ضرورت ہے۔ تعصب پر مبنی یہ مطالعاتی ماحول اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اہل مغرب کی طرف سے توہین و تنقیص پر مبنی اس نام نہاد علمی تحریک کے نتیجے میں اسلاموفوبیا کو تقویت ملی۔ اسلاموفوبیا نے مغربی دنیا کو اسلام سے خوف زدہ کر دیا اور وہاں کے لوگ کو ترغیب دی گئی کہ وہ مسلمانوں سے کراہت کریں۔ مغربی میڈیا اسلام کی غلط انداز میں منظر کشی کرنے لگا اور مغربی تہذیب کی مادی دلکشی کے فسانے گھڑے جانے لگے۔[۷۲] آج صورت حال یہ ہے کہ مغرب کے ذرائع ابلاغ مسلمانوں کی مقدس ہستیوں کے توہین آمیز خاکے شائع کرتے ہیں۔ بعض انتہا پسندوں نے مغربی ممالک میں قرآن

---

[۶۸] Samuel P. Huntington, The Clash of Civilizations and the Remarking of World Order, P:۱-۳۶۷

[۶۹] عابدہ حیات، **تہذیبی تصادم کا مغربی فلسفہ اور اسلام**، مقالہ: ایم فل علوم اسلامیہ (فیصل آباد: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، ۲۰۰۹ء-۲۰۰۷ء)۔

[۷۰] Seyyed Hossein Nasr, Orientelism (Concepts in the Social Sciences) Open University Press, London,۱۹۹۹, P.۱-۵۰

[۷۱] Urs App, The Birth of Orientalism, University of Pennsylvania Press, Philadelphia, Oxford, ۲۰۱۰, P ۱-۵۵۰

[۷۲] Edward W. Said, Covering Islam: How the Media and the Experts Determine How we see the Rest of the World, Knopf Doubleday Publishing Group, New York,۱۹-August,۲۰۱۵, P.۱-۲۷۲

مجید کو جلانے کی جسارت بھی کی ہے۔ مغربی ممالک میں موجود بعض طبقات اور ادارے سلمان رشدی[۷۳] اور تسلیمہ نسرین[۷۴] ایسی شخصیات کو ستائش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ ان شخصیات نے مغربی سرزمین کو اسلام کے خلاف ایک محفوظ و مضبوط قلعہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ مغرب کے علمی حلقوں میں موجود بعض انتہا پسند اور متعصب طبقات نے میڈیا، فلم انڈسٹری اور دیگر شعبہ جات کو اسلامی عقائد و اقدار کی تضحیک کے لئے بھرپور طور پر استعمال کیا ہے۔ جانب داری، توہین اور سماجی بے انصافی کے اس ماحول نے اسلامی تہذیب کے احیاء ایسے مثبت عمل کو پوری قوت سے روک رکھا ہے۔

۵.۴ مسلم ممالک پر قبضے اور ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت

سامراجی طاقتوں نے گزشتہ دو صدیوں میں بعض مسلم ممالک پر قبضے کئے۔ یہودیوں نے ارض فلسطین پر قبضہ کرکے اسرائیل کے نام سے ریاست قائم کی۔ کشمیر کے ایک بڑے حصے پر بھارت کا قبضہ ہے۔ علاوہ ازیں بعض مسلم ممالک میں بیرونی قوتیں مداخلت کرتی ہیں۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے کئی سال تک عراق اور افغانستان کے امن کو خراب کئے رکھا۔[۷۵] وہاں اپنی کٹھ پتلی حکومتیں بنائے رکھیں۔ بوسنیا میں مسلمانوں پر ظلم ڈھایا گیا۔[۷۶] برما سے مسلمانوں کو بے دخل کیا گیا۔[۷۷] شام[۷۸] اور یمن[۷۹] میں خانہ جنگی کرائی گئی۔ ۱۹۷۱ء میں بھارت نے مشرقی پاکستان کو پاکستان

---

[۷۳] احمد سلمان رشدی (پیدائش ۱۹ جون ۱۹۴۷ء، ممبئی) ایک بھارتی نژاد برطانوی ہے۔ بنیادی طور پر ناول نگار ہے۔ وہ بچوں کے لئے مضامین اور کتب بھی تحریر کرتا ہے۔ اس نے ۱۹۸۸ء میں "The Satanic Verses" کے عنوان سے ناول لکھا جس میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق توہین آمیز تبصرے کئے گئے۔ اس گستاخی اور ہرزہ سرائی پر مسلمانوں نے ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب کے ذی شعور طبقات نے احتجاج کیا۔ وہ اسلام ترک کرکے ملحد ہو چکا ہے۔ ایک مسلمان نوجوان ہادی مطر نے ۱۲ اگست ۲۰۲۲ء کو نیو پارک میں اس پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اس کے نتیجے میں وہ وہ ایک آنکھ اور ایک ہاتھ سے محروم ہو چکا ہے۔

(Andrew Teverson, Salman Rushdie: Contemporary World Writers, Manchester University Press, Manchester, U.K,۲۰۱۳, P۱-۲۸۸)

[۷۴] تسلیمہ نسرین (پیدائش ۲۵ اگست ۱۹۶۲ء، میمن سنگھ، مشرقی پاکستان) ایک بنگلہ دیشی مصنفہ، شاعرہ، کالم نگار، ناول نگار اور ڈاکٹر ہے۔ وہ مذہب پر توہین آمیز تنقید کے باعث ۱۹۹۴ء سے جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ سویڈن، جرمنی، فرانس، امریکہ اور بھارت میں قیام کے دوران اسلامی عقائد و روایات سے متعلق اپنے گستاخانہ رویوں اور اہانت آمیز تحریروں کے باعث کئی مرتبہ اسے مسلمانوں کی نفرت و مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

(Hanifa Deen, The Unveiling of Taslima: The Enigma of Taslima Nasreen: Author, Icon, Outcast, Random House, Australia,۲۰۰۲, P ۱-۳۵۰).

[۷۵] ملاحظہ ہوں: علی جاید نقوی، **پاکستان میں امریکی سازشیں** (لاہور: صبح پبلشرز، ۲۰۰۲ء)، ص: ۱-۱۸۰؛ پروفیسر خورشید احمد، **امریکہ: مسلم دنیا کی بے اطمینانی** (لاہور: منشورات، ۲۰۰۳ء)، ص: ۱-۱۵۰؛ پروفیسر طفیل ڈھانہ، مسلم دنیا اور سامراجی یلغار (لاہور: دارالشعور، ۲۰۰۴ء)، ص: ۱۰-۱۵۰۔

[۷۶] Francine Friedman, The Bosnian Muslims: Denial of A Nation, Taylor and Francis, Oxfordshire, UK,۲۰۱۸, P۱-۳۰۴

[۷۷] Roshan Lal Zinta and Kshitij Nadda, Islam and the State in Myanmar: Muslim –Buddist Relations and the Politics of Belonging, Oxford University Press, England,۲۰۱۶, P ۱-۳۴۵

[۷۸] Asaad Alsaleh, Historical Dictionary of the Syrian Uprising and Civil war, Rowman and Little Field, London ,۲۰۲۱, P ۱-۴۴۰

[۷۹] Helen Lackner, Yemen in Crisis: Road to War, Verso Books, London, ۲۰۱۹, P ۱-۳۵۲

سے الگ کرنے کے لئے بھرپور سازش کی۔[۸۰] اقوام متحدہ اور دیگر عالمی ادارے ان بے انصافیوں پر مجرمانہ خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF)[۸۱] اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO)[۸۲] ایسے اداروں کے ذریعے مسلم ممالک کی خود مختاری پر حملے کئے جاتے ہیں۔ ان کی تجارت اور درآمد و برآمد پر ناجائز پابندیاں لگائی جاتی ہیں۔ مسلم ممالک کی سیاسی و معاشی آزادی پر قدغن لگانے کے لئے سامراجی طاقتیں مختلف اقسام کے جتن کرتی ہیں۔ استعمار کی ان ظالمانہ کارروائیوں کے نتیجے میں مسلمانوں کی اقتصادی ترقی پر منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ سامراج کی اس قبضہ مہم اور مسلمان ممالک میں ناجائز مداخلت سے مسلمانوں کے تہذیبی وقار کو شدید دھچکا لگا ہے۔ اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عالم اسلام کو سیاسی طور پر مستحکم کیا جائے۔ مسلم ممالک میں مغربی طاقتوں کی مداخلت سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان ہوتا ہے بلکہ تہذیبی مفاہمت کا عمل بھی رک جاتا ہے۔ اسلامی تہذیب کے احیاء کا تقاضا ہے کہ مسلم ممالک پر ہونے والے استعماری قبضے ختم کرائے جائیں اور مسلم ممالک کے اندرونی معاملات سے سامراجی طاقتوں کی مداخلت ختم کرائی جائے۔[۸۳]

۶. اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے امکانات

اسلامی تہذیب کی از سر نو تنظیم کو سہل بنانے کے لئے جن اقدامات کی ضرورت ہے ان کا ایک مختصر خاکہ ذیل کی سطور میں پیش کیا جاتا ہے۔

۶.۱ علمی و فکری استحکام

اسلامی تہذیب کو وسعت و پختگی سے ہم کنار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے فکری اثاثوں یعنی قرآن مجید اور سنتِ رسول ﷺ سے ماخوذ و مستنبط تعلیمات کو ہمہ جہتی انداز میں فروغ دیا جائے۔ اسلامی فقہ اور قانون سازی میں جدت و اجتہاد کی ترویج کی بھرپور کوشش کی جائے۔ مذہبی فکر کی اصلاح کو معیوب نہ سمجھا جائے۔ مذہبی طبقات اپنے موقف پر جرأت مندی سے نظر ثانی کریں۔ نظریہ و عمل میں اگر کوئی ٹیڑھا پن آ چکا ہے تو اسے دور کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے۔ سماجی علوم سے متعلق تصنیف و تالیف پر خوب توجہ دی جائے۔ علماء حریت فکر، احتساب اور تنقیدی نگاہ کو بصد احترام قبول کریں۔ تعلیمی اصلاحات اور علوم کی تدوین جدید پر محنت کی جائے۔[۸۴] مختلف شعبہ جات میں ماہرین علم کی تیاری کو ممکن بنایا جائے اور ان سے معاونت و مشاورت کے عمل کو وسعت دی جائے۔ تعلیم کے ساتھ اصلاح و تزکیہ اور تربیت کا بھرپور اہتمام کیا جائے۔ فکر و عمل میں مطابقت کو یقینی بنایا جائے۔ علمی تعصب اور فرقہ واریت کی بیخ کنی کی جائے۔[۸۵] فکر اسلامی کی توسیع میں حکمت و تدبر کے اصول کا لحاظ رکھا جائے۔ علمی حلقوں میں اشتعال و توہین کا خاتمہ کر کے احترام و وسعت کو رواج دیا جائے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کے احیاء میں

---

[۸۰] Shariful Haq Dalim, Bangladesh: Untold Facts, Nobojagoron Prokashoni, Dhaka,۲۰۰۵, P۱-۶۶۵

[۸۱] Graham Bird, The International Monetary Fund and Developing Countries: A Review of the Evidence and Policy Options, International Organization, Cambridge University Press, Cambridge, England ,۲۲May ۲۰۰۹, Vol:۵۰, Issue:۳ p ۴۷۷-۵۱۱.

[۸۲] سید عظیم، **ڈبلیوٹی او اور گلوبلائزیشن** (لاہور: دار الشعور، ۲۰۰۶ء)، ص ۴۸۰-۱

[۸۳] Edward W. Said, Culture and Imperialism, Chatto and Windus, London, ۱۹۹۳, P۱-۴۱۶

[۸۴] Ismail Raji Al -Faruqi, Islamization of Knowledge: Problems, Principles, Perspectives in Islam, Herdon: Virginia, International Institute of Islamic Thought,۱۹۸۸, P:۱-۹۰

[۸۵] ملاحظہ ہوں: سلیم منصور خالد، **دینی مدارس میں تعلیم: کیفیت، مسائل، امکانات** (اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، ۲۰۰۴ء)، ص:۱۷-۳۶۰؛ ڈاکٹر کیپٹن عثمان علی عیسانی و ڈاکٹر محمد لطیف ورک، **پاکستان میں اعلیٰ تعلیم (ماضی، حال اور مستقبل)** (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۵ء)، ص:۱-۵۵۶۔

فنون لطیفہ کو بڑی اہم حیثیت حاصل ہے۔ شاعری، خطاطی، مصوری، ڈرامہ اور فن تعمیر کے ذریعے انسانوں کے جمالیاتی ذوق کے فطری تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہے۔

ان علوم وفنون کو اب اقوام عالم میں ایک عظیم صنعت کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ یہ ذہنی ارتقاء کے لطیف ذرائع ہیں۔ سنگی عمارات، نقش ونگار، کوزہ گری، پارچہ بافی، جلد سازی، قالین بافی، شیشے کا کام، قوالی وسماع، نعت گوئی اور دیگر فنون لطیفہ کو مسلمانوں کے مختلف ادوار میں مقبولیت حاصل رہی ہے۔ یہ مسلمانوں کی شان وعظمت کے مظاہر ہوا کرتے تھے۔ اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ان علوم وفنون کی حوصلہ افزائی بھی افادیت کی حامل ہو سکتی ہے۔ علمی ارتقاء کے اس سفر میں قدیم وجدید علوم خصوصی طور پر سائنس میں مہارت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔[۸۶] اس ضمن میں سائنس وٹیکنالوجی، کمپیوٹر، سمارٹ آلات واوزار، مصنوعی ذہانت، ربورٹس، سائبر سیکورٹی، قدرتی وسائل کے تحفظ اور ماحولیاتی وموسمیاتی ٹیکنالوجی پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۶.۲ سیاسی وانتظامی بصیرت

تہذیب اسلامی کے استحکام کا سیاسی وانتظامی امور سے براہ راست تعلق ہے۔ مسلمانوں کی ترقی اور ان کے بارے میں عالمی تاثر کی بہتری کا تقاضا ہے کہ مسلمان قانون کی بالادستی کو یقینی بنائیں۔ آمریت کے بجائے سیاسی عمل اور باہمی مشاورت کو ترجیح دی جائے۔ مسلم ریاستوں میں دیانت داری، انصاف پسندی اور برابری کے اصول کو رائج کیا جائے۔ عدالتیں آزاد ہوں اور اداروں کو غیر جانب دارانہ طور پر کام کا موقع دیا جائے۔ ایسی قیادت کا انتخاب عمل میں لایا جائے جو خیر وبرکت اور شفافیت کی حامل ہو۔ عالم اسلام میں کسی ایک مرکزی رہنما کا ہونا بہت ضروری ہے جو مذہبی وسیاسی معاملات میں تمام رنگ ونسل کے مسلمانوں کی نمائندگی کرے۔ اس فرض کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ مسلم حکمرانوں کے باہمی اختلافات کا خاتمہ ہو۔ انتظامی شفافیت کو یقینی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ کسی دباؤ کے بغیر اپنے فرائض انجام دیں۔ تعمیر وترقی کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے۔

۶.۳ اقتصادی وعسکری منصوبہ بندی

اسلامی تہذیب کے احیاء کا عمل اقتصادی مضبوطی اور عسکری پختگی کا تقاضا کرتا ہے۔ اس ضمن میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان معاشی میدان میں بین الاقوامی تقاضوں کی تفہیم کریں۔[۸۷] بھرپور منصوبہ بندی کے ساتھ اپنے معاشی نظام اور عسکری ڈھانچے کو ٹھیک کریں۔ مسلم ممالک غربت وبے روزگاری کا خاتمہ کریں، نچلے اور متوسط طبقات کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں مدد فراہم کریں۔ مالیاتی کفایت شعاری کو اپنائیں اور قرضوں کے بوجھ سے نجات حاصل کرنے کے لئے پوری محنت کریں۔ رشوت ستانی اور اقرباء پروری سے جان چھڑائیں۔ ملکی دفاع، صحت، ذرائع آمد ورفت، تجارت، صنعت، جنگی جہازوں کی تیاری اور افواج کی تربیت کے بغیر مسلمان ممالک معاشی میدان میں ترقی نہیں کر سکتے۔[۸۸] مسلمانوں کے لیے بہت ضروری ہے کہ وحدت کو عام کریں۔ مسلم ممالک کو بیرونی قبضوں سے نجات دلائی جائے۔ مسلم ریاستوں کو داخلی اعتبار سے مستحکم کیا جائے۔

---

[۸۶] Seyyed Hossein Nasr, The Need for a Sacred Science, Lahore: Suhail Academy, ۲۰۰۱, P:۱-۱۸۷

[۸۷] M. Umer Chapra, Towards a Just Monetary System, The Islamic Foundation,۲۲۳ London Road, Leicester.Uk,۱۹۹۵, P ۱-۲۹۲

[۸۸] غلام کبریا، **معاشی ترقی کیسے؟** (لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۸-مزنگ روڈ، ۱۹۹۷ء)، ص: ۱-۵۳۲۔

۶.۴۔ تہذیبی ہم آہنگی کا فروغ

اسلام تہذیبی وسعت اور تہذیبوں کے درمیان روابط کا داعی ہے۔ مسلمانوں نے تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں بین المذاہب تعلقات کو مضبوط کیا ہے۔ اسلامی تہذیب کسی منافرت اور تصادم کو پسند نہیں کرتی۔ مسلمان تہذیبی تکثیریت سے وابستہ حقائق اور ان کے تقاضوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔[۸۹] مسلمان علمی و عملی کوششوں کے ذریعے اسلاموفوبیا کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کی کوشش ہے کہ مسلم ممالک میں غیر مسلموں کے حقوق کا بھرپور تحفظ کیا جائے۔ اسی اصول کی بناء پر ان کی خواہش ہے کہ غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتوں کے حقوق کا بھی دفاع کیا جائے۔ مسلمان بین الاقوامی معاہدات کی پاسداری کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بنیادی انسانی حقوق کے احترام سے متعلق ان کا ریکارڈ اطمینان بخش ہے۔ وہ اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ تہذیبوں کے درمیان مفاہمت، ہم آہنگی اور تعاون سے امن وامان کی صورت حال بہتر ہو گی۔ اسی عزم و شعور کا نتیجہ ہے کہ وہ اسلامی تہذیب کے اساسی تصورات پر قائم رہتے ہوئے دیگر تہذیبوں سے مختلف شعبہ جات میں تعاون کو فروغ دینا چاہتے ہیں اور ان تہذیبوں سے مختلف اسباق حاصل کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

۷۔ خلاصہ بحث

پیش کردہ گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ اس تحقیقی مضمون میں اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے عصری رجحانات، داخلی و خارجی تحدیات اور امکانات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ عصر حاضر میں اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے لئے مختلف رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ایک علمی حلقہ اسلامی ریاست کے قیام کی خواہش رکھتا ہے اور وہ خلافت کے مثالی ادارے کی بحالی پر اصرار کرتا ہے۔ کچھ لوگ جہاد کے نام پر مسلح جدوجہد کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ بعض کی خواہش ہے کہ اسلامی تعلیمات اور عقل و سائنس کے درمیان ہم آہنگی اور موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ ایک طبقہ دفاعِ اسلام کے مناظرانہ اسلوب کو اپنائے ہوئے ہے۔ بعض لوگ تبلیغی جماعتوں اور دعوتی وصوفی تحریکات کے ذریعے اسلامی تہذیب کا احیاء چاہتے ہیں۔ ایک طبقہ ایسا ہے جو مغربی تہذیب کو کلی طور پر مسترد کر دینا چاہتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مغربی تہذیب کا مکمل اتباع کرنا چاہیئے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کو معاصر تہذیبوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔ ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو یہ شعور رکھتے ہیں کہ اسلامی تہذیب کی اساس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے مغربی تہذیب اور دیگر معاصر تہذیبوں کے محاسن سے استفادہ کیا جائے۔ نقد و تجزیہ کے بعد آخری طبقہ کی رائے کو مفید خیال کیا گیا۔ اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے عمل کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں جو رکاوٹیں درپیش ہیں ان میں سے بعض کا تعلق مسلمانوں کی داخلی صورت حال سے ہے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد علم اور اجتہاد سے توجہ ہٹا چکی ہے۔ معاشرتی و اخلاقی میدان میں ملت اسلامیہ تنزل کا شکار ہے۔ معاشی منصوبہ بندی ناپید ہے اور غربت و بے روزگاری عام ہو چکی ہے۔ عسکری و سیاسی معاملات میں کمزوری آچکی ہے۔ اسلامی تہذیب کے احیاء کے لئے ان داخلی تحدیات پر قابو پانا نہایت ضروری ہے۔ بعض رکاوٹوں کا تعلق مغربی تہذیب کی پیدا کردہ اشتعال انگیز اور متعصبانہ صورت حال سے ہے۔ بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو مغربی دنیا کے معاصر غلبہ کے اسباب کو حقیقی معانی میں سمجھنے سے تاحال قاصر ہیں۔ اس وجہ سے وہ احساس کمتری اور مرعوبیت کا شکار ہیں۔ مغربی دانشور سموئیل پی ہنٹنگٹن نے تہذیبی تصادم کا نظریہ پیش کر کے اقوام عالم خصوصاً مسلمانوں کو خوف زدہ کر دیا ہے۔ مزید برآں استشراق، توہین آمیز خاکوں اور اسلاموفوبیا کے زیر اثر دیگر پُر تشدد سرگرمیوں نے

[۸۹] Seyyed Hossein Nasr, Islam and Civilizational Dialogue: The Quest for a Truly Universal Civilization, P:۱–۴۰

مسلمانوں کو مفاہمت کے بجائے نفرت اور تصادم کی طرف دھکیل دیا ہے۔ بعض مغربی ممالک نے سامراجانہ انداز اختیار کرتے ہوئے مسلم ممالک پر قبضوں کی روش اپنا رکھی ہے۔ یہ ممالک مسلمانوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتے ہیں۔ مغرب کی طرف سے اختیار کئے جانے والے اس نامناسب رویے کا خاتمہ بہت ضروری ہے۔ مذکورہ مسائل کے خاتمے یا ان کے اثرات کو کم کرنے کے لئے مناسب اقدامات وامکانات کی نشاندہی اس مضمون میں کی گئی ہے۔ اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کے لئے نہایت ضروری ہے کہ مسلمان اپنے ہاں علمی وفکری استحکام کو یقینی بنانے کے لئے مؤثر اقدامات کریں۔ قرآن مجید، سنتِ مطہرہ اور اسلامی فقہ سے متعلق فہم وشعور کو راسخ کیا جائے۔ اجتہاد اور سائنس وٹیکنالوجی پر توجہ دی جائے۔ آزادانہ نقد ونظر کے ماحول کو پروان چڑھایا جائے۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ سیاسی وانتظامی بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قانون کی بالادستی، انصاف، شفافیت اور مشاورت کو یقینی بنائیں۔ معاشی میدان میں بھرپور منصوبہ بندی کریں۔ اس ضمن میں عالمی معیار اور اس کے تقاضوں کی بھرپور تکمیل کریں۔ تہذیبی ہم آہنگی کو فروغ دیں، غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ کریں، بین الاقوامی معاہدات کی پاسداری کریں اور دوسری تہذیبوں کے مفید تجربات سے فائدہ اٹھانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

کتابیات

ابن منظور افریقی، **لسان العرب**، (بیروت: دارالصادر، ۱۴۱۴ھ)

احمد جاوید، **مسلم نشاۃ ثانیہ: اصلاح مفاہیم** (گوجرانوالہ: الشریعہ، جلد:۲۴، شمارہ:۵، ۲۰۱۳ء)

شاہرام اکبرزادے وعبداللہ سعید، **اسلامی ریاست: جواز کی تلاش**، مترجم: محمد ارشد رازی (لاہور: مشعل بکس، ۲۰۰۶ء)،

شاہد حسین رزاقی، سید جمال الدین افغانیؒ: حیات وافکار (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲ کلب روڈ، ۲۰۱۰ء)

خلیل احمد حامدی، حسن البناء شہید کی ڈائری، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء

وحید الدین خان، **مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان** (لاہور: امن پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)

نگہت اکرم، **اسلامی تصور جہاد اور عصر حاضر کی اہم جنگیں: ایک تجزیاتی مطالعہ**، مقالہ: پی ایچ ڈی، شعبہ قرآن وسنۃ، (کراچی: جامعہ کراچی، ۲۰۰۷ء)

محمد سیف اللہ وابوالحسن مبشر احمد ربانی (لاہور: زاد المجاہد، مرکز الدعوۃ والارشاد، ۲۰۰۳ء)

محمد اکرم جان، **جہاد اور دہشت گردی** (تحقیقی اور تقابلی جائزہ)، مقالہ: پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ (اسلام آباد: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، ۲۰۰۹ء)،

خواجہ محمد سعید، مقالہ: **سرسید احمد خان کا تصور مذہب (ایک فلسفیانہ جائزہ)**، شعبہ فلسفہ، لاہور: جامعہ پنجاب، تکمیل: ۲۰۰۰ء۔

عبدالرحمٰن کیلانی، **آئینہ پرویزیت** (لاہور: مکتبہ السلام، وسن پورہ، گلی نمبر ۲، ۱۹۸۷ء)

ظفر اقبال خان، **پرویزیت کے الہامی تصورات: قرآن، علم الکلام اور جدید سائنس کے تناظر میں** (جھنگ: حویلی بہادر شاہ، ادارہ اسلامیہ، ۲۰۰۳ء)،

ڈاکٹر سی ڈبلیو ٹرول، سرسید احمد خان: **فکر اسلامی کی تعبیر نو**، مترجمین: ڈاکٹر قاضی افضل حسین، محمد اکرام چغتائی (لاہور: اردو بازار، القمر انٹرپرائزز، رحمان مارکیٹ، اردو بازار، ۱۹۹۰ء)،

غلام احمد پرویز، **تبویب القرآن** (لاہور: ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۸۵ء)،

ڈاکٹر محمد ریاض محمود وڈاکٹر محمد صدیق، **برصغیر میں مسلم۔ مسیحی مناظرانہ ادب کے علمی وفکری اثرات** (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، مجلہ: معارف اسلامی، جلد:۱۳، شمارہ:۲، جنوری۔جون، ۲۰۱۴ء)

الطاف احمد اعظمی، **احیائے ملت اور دینی جماعتیں** (لاہور: دارالتذکیر، رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، ۲۰۰۲ء)

پروفیسر امان اللہ بھٹی، **اسلام اور خانقاہی نظام** (لاہور: دار السلام، ۲۰۰۸ء)

امیر شکیب ارسلان، **اسباب زوال مسلم**، آستانہ بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۴ء

ڈاکٹر عبدالکریم عثمان، **اسلامی ثقافت کے سنگ میل**(لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۲۲ء)

پروفیسر عزیز احمد، **برصغیر میں اسلامی جدیدیت**، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی(لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۶ء)

محمد علی ظفر، **مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور مطالعہ مغرب: تحقیقی و تنقیدی جائزہ**، مقالہ: ایم فل علوم اسلامیہ، نگران مقالہ: پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، سیشن: ۲۰۱۱ء–۲۰۰۹ء)

ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر، **مغرب کا تہذیبی وسیاسی غلبہ اور امت مسلمہ کا ردعمل**، **سہ ماہی تجزیات**(اسلام آباد، شمارہ: ۷۳، اپریل-جون، ۲۰۱۵ء)

پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الحق وڈاکٹر محمد ریاض محمود، **اسلامی تہذیب وتمدن میں اختراع اور تازہ کاری: عہد بنی عباس کا تجزیاتی مطالعہ**(اسلام آباد: مجلہ البصیرہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ۲۰۲۰ء)

فواد سیزگین، **تاریخ التراث العربی**(سعودیہ: جامعہ ملک سعود، ۲۰۱۵ء)

اسرار عالم، **امت کا بحران: تفکیر، تدبیر اور تعمیل**(نئی دہلی: دارالعلم، ۲۰۰۶ء)

عبدالشکور چوہدری، **عالم اسلام کا معاشی بحران اور اس کا حل**، **مقالہ: پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ**(اسلام آباد: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، ۲۰۰۷ء)

سید عظیم، **ڈبلیوٹی او اور گلوبلائزیشن**(لاہور: دارالشعور، ۲۰۰۶ء)

Seyyed Hossein Nasr, *Islam and Civilizational Dialogue: The Quest for a Truly Universal Civilization*, Kuala Lumper University of Malaya Press,۱۹۹۷

Cemil Aydin, *The Politics of Anti-Westernism in Asia*, Columbia University Press, New York,۲۰۰۷

Hussam R. Ahmed, *The Last Nahdawi: Taha Hussein and Institution Building in Egypt*, Stanford University Press, Stanford, California, June,۲۰۲۱

Caroline Elkins, *Legacy of Violence: AHistory of the British Empire, Knopf Doubled Publishing Group*, New Yourk,۲۰۲۲

Ziauddin Sardar, *Islamic Futures: The Shaps of Ideas to Come, Man sell Publishing Limited*, London:۱۹۸۵

Turan Kayaoglu, *The Organization of Islamic Cooperation: Politics, Problem and Potential, Routledge*, London,۲۰۱۷